بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شورے شدواز خواب عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقی است شبِ فتنہ، غنودیم

حیاتِ لطیفُ الاُمّت

لطیفُ الامت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ کے نقوشِ حیات

کیا ہی چین خوابِ عدم میں تھا، نہ تھا زلفِ یار کا کچھ خیال
سو جگا کے شورِ ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

مرتب:
مفتی محمد امجد حسین
(ادارہ غفران، راولپنڈی)

ناشر
کتب خانہ ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

نام کتاب: حیاتِ لطیف الامت

مصنّف: مفتی محمد امجد حسین

طباعتِ اوّل: رجب 1435ھ مئی 2014ء طباعتِ دوم: رمضان 1438ھ جون 2017ء

صفحات: 128

ملنے کے پتے

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش نامہ

(از مؤلف)

حیاتِ لطیف الامت کا دوسرا ایڈیشن شائع ہونے جا رہا ہے، اس مجموعہ میں والد صاحب کے حالات کے ذیل میں ضمناً بہت سے مشاہیرِ امت کے احوال بھی مختصر طور پر آئے، جن کو پسند کیا گیا۔

اس دوسرے ایڈیشن میں موقعہ بہ موقعہ مزید وضاحتیں اور قابلِ قدر اضافات ہوئے ہیں، والد صاحب کے ملفوظات کا بھی مختصر اضافہ ہے۔

ان کے بیانات کی کیسٹیں بھی میں نے کسی زمانے میں ریکارڈ کی تھیں، رکھے رہنے سے اور کچھ میرے بچوں کی دست برد سے وہ خراب ہوگئیں، ورنہ ان سے مواعظ و بیانات بھی کچھ جمع ہو جاتے، خیر ع

ہر چہ باد اباد

استاذ العلماء مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کا تبصرہ بھی اس ایڈیشن میں شامل ہے، اللہ کرے اس کا مطالعہ عبرت، موعظت و بصیرت کا سبب بنے۔

محمد امجد حسین

3 / ذی الحجہ / 1437ھ، 06 / ستمبر / 2016ء بروز منگل

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی

تمہید

(از مؤلف)

بندہ نے اپنے والد مولانا عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ کی وفات پر، ان کی مختصر سوانح حیات، اپنے ادارہ غفران سے ماہوار شائع ہونے والے رسالہ ''التبلیغ'' راولپنڈی میں قسط وار تحریر کئے تھے، جو کہ ماہنامہ التبلیغ کے مئی 2013ء تا دسمبر 2013ء کے دوران آٹھ قسطوں میں شائع ہوئے، میرے والد صاحب مرحوم کے متعلقین اور قریبی اعزہ نے اس کاوش کو پسند کیا۔

اب میرے ان اعزہ واحباب کا تقاضا ہوا کہ اباجی کے یہ نقوشِ حیات، ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب کر کے، آپ ہمیں فراہم کردیں، خصوصاً حضرت مفتی محمد رضوان صاحب کا بھی حکم تھا کہ والد صاحب کے حالات و واقعات لکھ لئے جائیں، چنانچہ بندہ نے نظرِ ثانی کر کے اور آخر میں دو ابواب (وفات اور چند خواب) کا اضافہ کر کے، نیز اپنے ''ٹھٹھہ'' (سندھ) کے سفرنامے کے چند صفحات، جن میں ضمناً والد صاحب کا تذکرہ آ گیا تھا، اس کو بھی بطورِ ضمیمہ شامل کر کے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے، استاذِ مکرم حضرت اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم نے بندہ کی درخواست پر تاثرات بھی تحریر فرمائے۔

اس طرح جہاں میرے والد صاحب کے مختصر احوالِ زندگی بھی محفوظ ہو گئے، تو ساتھ ساتھ احباب ومستفیدین کے لئے، دینی رہنمائی اور عبرت وبصیرت کا باعث بھی یہ مجموعہ بنے گا۔

واضح رہے کہ والد صاحب کی عہدِ طفولیت و طالب علمی اور اس کے بعد، جامعہ اسلامیہ راولپنڈی آمد تک کے حالات، خود والد صاحب سے سن کر میں نے بالاستیعاب لکھے ہیں، 1991ء میں بیمار رہ کر تقریباً 6 ماہ آپ مانسہرہ میں گھر پر صاحبِ فراش رہے، پہلی دفعہ فرصت وفراغت کے ان ہی ایام میں والد صاحب نے اپنے حالات میری خواہش پر بیان کئے تھے، اور میں نے لکھے تھے۔

محمد امجد حسین

۱۰/ رجب/ ۱۴۳۵ھ، 10/ مئی/ 2014ء بروز ہفتہ ادارہ غفران، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاثرات ودعائیہ کلمات

مفتی محمد رضوان صاحب دامت فیوضہم (مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی)

صفر ۱۴۱۳ھ (اگست 1992ء) کو جب بندہ کی جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی میں بحیثیت مدرس ومفتی تقرری عمل میں آئی، تو وہاں دیگر متعدد علمی شخصیات کے علاوہ ''لطیف الامت جناب مولانا عبداللطیف صاحب'' رحمہ اللہ سے بھی تعارف وشناسائی پیدا ہوئی، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف کے ساتھ عقیدت ومحبت بڑھتی گئی، خاص طور پر مولانا موصوف کے لطائف اور قصص وواقعات سننے اور ملاحظہ کرنے کے بعد مولانا سے تعلق میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

مولانا کے وقتاً فوقتاً ملفوظات، حکایات، واقعات اور لطائف وظرائف سنتے رہنے کے نتیجہ میں کئی مرتبہ شدت کے ساتھ یہ تقاضا ہوا کہ مولانا کے لطائف وظرائف اور واقعات وسوانح کو جمع کیا جائے۔

ادارہ غفران کے قیام کے بعد متعدد مرتبہ اس بات کا مولانا موصوف کے خلف الرشید مولانا مفتی امجد حسین صاحب سے بھی ذکر کیا کہ مولانا سے وقتاً فوقتاً معلوم کرکے اور سُن کر کچھ یادداشتیں جمع کرلی جائیں، جس کے مطابق انہوں نے عمل کیا، اور اس کے نتیجہ میں لطیف الامت رحمہ اللہ کے حالات وواقعات کا غیر معمولی حصہ جمع ہوگیا، اور مولانا مفتی امجد حسین صاحب نے ان حالات کو قلمبند کرکے مرتب کیا، اور ماہنامہ ''التبلیغ'' میں قسط وار ان کی اشاعت ہوئی، اور اب بعض حضرات کی خواہش پر ان حالات کو کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ فقط

محمد رضوان ۱۱/ رجب المرجب/ ۱۴۳۵ھ 11/ مئی/ 2014ء

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

دعائیہ کلمات

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ

(سابق صدر: وفاق المدارس العربیہ، پاکستان، شیخ الحدیث ومہتمم: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

باسمہٖ الکریم

مکرمی! زید مجد ہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

یادآوری کا شکریہ قبول فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

جناب نے اپنے والد ماجد کے حالات پر کتابچہ لکھا، یہ اچھا کام ہے۔

احقر نے اس کو پورا پڑھا، اس میں ہے مرحوم نے علمِ شریعت حاصل کرنے کے لیے کیسی کیسی مشکلات کو برداشت کیا، مگر اپنے عزم پر قائم رہے، اور بالآخر کامیاب رہے۔

ان کی ہمراہی میں احقر کا اُن کا ہم سبق ہونا خوشگوار تأثر قائم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت کے ساتھ درجاتِ عالیہ عطاء فرمائے، اور آپ کو خلف الصدق اوران کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

سلیم اللہ خان

۱۸/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۳۶ھ ۱۰/ مارچ/ ۲۰۱۵ء

جامعہ فاروقیہ، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام ونسب، وطن مالوف، تعلیم وتربیت کے مراحل

میرے والد لطیف الامت [1]

[1] یادش بخیر لفظ ''لطیف الامت'' کا پسِ منظر یہ ہے کہ ایک بار جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی میں حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ اور مفتی محمد رضوان صاحب دام اقبالہٗ اور کچھ دیگر اہلِ علم جامعہ کے دفتر میں جمع تھے، غالباً مجلس صیانۃ المسلمین کی نئی باڈی کی تشکیل کا مرحلہ تھا، مجلس صیانۃ المسلمین کا تعارف یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی قائم کردہ مجلس ہے، جو تبلیغی واصلاحی مقاصد کے لئے تبلیغی جماعت کی مانند حضرت حکیم الامت نے قائم کی تھی، متحدہ ہندوستان میں بھی اور تقسیمِ ملک کے بعد برصغیر کے دونوں حصوں میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلفاء، متوسلین نے اس پلیٹ فارم سے امت کی اصلاح وتربیت کا عظیم الشان فریضہ سرانجام دیا، پاکستان میں تقریباً ایک دہائی پہلے تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں اس کا صدر دفتر تھا، وہیں جامعہ میں مجلس کے تحت سالانہ اجتماع ہوتا تھا، جس میں برصغیر پاک وہند، بنگلہ دیش، یورپ وافریقہ اور خلیجی ممالک سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلفاء ومتوسلین تشریف لاتے تھے، راولپنڈی، اسلام آباد میں میری یادداشت میں 80ء کے عشرے میں حضرت نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ مجلس کے ذمہ دار رہے، ان کے بعد 90ء کے عشرے میں اسلام آباد میں ہمارے مرشد حضرت نواب عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ (م 1433ھ) اور راولپنڈی میں شیخ الحدیث قاری سعید الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (1430) مجلس کے ذمہ دار رہے، حضرت مفتی محمد رضوان صاحب جب راولپنڈی تشریف لائے، تو آپ نے مجلس کی سرگرمیوں میں مزید تحریک پیدا کی، راولپنڈی میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے سلسلے کے قدیم احباب ومتوسلین صوفی محمد دین چشتی صاحب (کتاب شریعت وطریقت والے) قاری محمد یوسف صاحب (کوثر مسجد، امر پورہ والے، م 1419ھ) مرزا صاحب (صرافہ بازار والے) خود میرے والد مولانا عبداللطیف صاحب رحمہم اللہ (1434ھ) یہ تمام حضرات 90ء کے عشرے میں حیات تھے، لاہور صیانۃ المسلمین کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے حضرت مفتی محمد رضوان صاحب اور ان مذکورہ بزرگوں کے ہمراہ بندہ محمد امجد کا بھی ایک سے زیادہ مرتبہ سفر ہوا، 98ء میں قاری محمد یوسف صاحب فوت ہوئے، اسی زمانے میں حضرت نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا فہیم الحسن تھانوی جو مجلس کے متحرک رہنما تھے، کراچی منتقل ہوگئے، تو جامعہ اسلامیہ میں مجلس کی نئی تنظیم سازی کا اجلاس تھا، قاری سعید الرحمان صاحب رحمہ اللہ نے تجویز پیش کی کہ چونکہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے سلسلے میں حکیم الامت، مسیح الامت، شفیق الامت وغیرہ کے القاب رائج رہے ہیں کہ اول الذکر لقب خود حضرت تھانوی کا، دوسرا لقب حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب شیروانی جلال آبادی کا، تیسرا لقب مولانا محمد فاروق صاحب رحمہ اللہ (باغِ حیات سکھر) کا ہے، تو اسی تسلسل وتناظر میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کو لطیف الامت کا لقب دینا چاہیئے، حضرت مفتی محمد رضوان صاحب نے اس کی تائید کی، اس طرح ان خواص کے ہاں اباجی مرحوم کے لئے یہ لقب مقرر ہوا۔

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً گزشتہ بیس بائیس سال سے بار بار سخت سے سخت بیماریاں سہ جانے، جان لیوا امراض میں مبتلا ہو کر پھر بفضل رب شفایاب ہونے، اس تمام عرصے میں موت کا ان کی رگِ حیات کو بار بار چھونے اور مس کرنے، لیکن ہر بار وقتِ موعود تک، اجل مسمّٰی کے مؤخر ہونے تک، آپ کا ہاتھ پاؤں جھاڑ کر بسترِ مرگ سے اُٹھ بیٹھنے، بیٹھ کر اُٹھ کھڑے ہونے اور پھر چل پڑنے اور کسی صاحبِ دل کی اس نصیحت کو

جب تک بس چلے ساغر چلے ساقیا اب یہاں لگ رہا ہے چل چلاؤ

تادمِ واپسیں حرزِ جان بنانے کے بعد آخر الامر 21 اور 22 جمادی الاولیٰ 1434ھ (بمطابق 3 اور 4 اپریل 2013ء) کی درمیانی شب، شبِ جمعرات کو قریب ایک بجے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَ کُلَّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمّٰی

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ

سنِ ولادت ومدتِ حیات

حضرت لطیفُ الامت کا سالِ ولادت (حضرت کی اپنی خاندانی یادداشتوں کے مطابق) 1336ھ (بمطابق 1917ء) ہے، اس طرح قمری حساب سے آپ کی مدت العمر 98 سال بنتی ہے۔

آپ کے حالاتِ زندگی عبرت وبصیرت کا عجیب مرقع ہیں، گویا اس آیت کا مصداق ہیں:

تَبْصِرَۃً وَّ ذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ.

تاکہ اللہ کی طرف ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو۔

آپ کی داستانِ حیات میں درج ذیل اوصاف قدرِ مشترک کے طور پر آپ کی پوری زندگی کو محیط ہیں۔

(1)......انتہائی سادگی، بالکل بچوں کی سی معصومیت اور سادگی بچپن سے بڑھاپے اور وفات تک آپ کی سیرت و کردار کو محیط رہی۔

(2)......خوشدلی و زندہ دلی، نرمی و لطافت۔

(3)......آزمائشوں، تکلیفوں، مصائب و مشکلات سے زندگی کے مختلف مرحلوں میں بار بار سابقہ پڑنا اور آپ کا استقامت کے ساتھ ان گھاٹیوں سے گزر جانا۔

(4)......رجوع و انابت الی اللہ کا غیر معمولی جذبہ اور آفت و راحت کے ہر قسم کے احوال میں اس کا عملی استحضار۔ [1]

(5)......نماز کا غیر معمولی اہتمام، بسترِ مرگ پر بھی نماز کی نصیحت، یاددہانی، اور اپنی فائت نمازوں کے فدیہ کی بار بار تلقین۔ [2]

(6)......خلقِ خدا پہ شفقت اور سب کا پاس ولحاظ رکھنا۔ [3]

---

[1] یہ اصل میں نبیوں کی صفات ہیں، امتیوں کو نبی کی کامل اتباع سے ان صفات میں سے حصہ ملتا ہے، ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں رجوع وانابت الی اللہ کی صفت کا قرآن میں یوں تذکرہ ہے:

اِنَّ اِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيبٌ.

[2] قرآن مجید میں ایک رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی یہ صفت بطور مدح کے بیان ہوئی ہے:

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّه كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا. وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَه بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّه مَرْضِيًّا (سورة مريم، رقم الآية ۵۴، ۵۵)

ترجمہ: اور کتاب میں اسمٰعیل کا بھی ذکر کرو وہ وعدہ کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے۔ اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور وہ اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے (سورہ مریم)

[3] حدیث میں ہے کہ:

اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ (ترمذی، رقم الحديث ۱۹۲۴)

تم زمین والوں پر رحم کرو، تو آسمان والا یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔

رحمدلی و شفقت کی اس شان کا ایک مظاہرہ یہ بھی تھا کہ آپ عام حالات میں عموماً اور بیماری میں خصوصاً ساری امت کے لئے، عام مسلمان مرحومین کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تھے، آیات و کلمات واذکار پڑھ پڑھ کر ان کا ثواب ساری امت کو بخشتے تھے، اور فرماتے تھے کہ بستر پر بے دست و پا لیٹے لیٹے ایصالِ ثواب و دعا کا فائدہ انسانیت کو پہنچا سکتے ہیں، سو اس سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

نسب وخاندان

عبد اللطیف بن رانا مہر دین بن جھنڈے خان بن گھسیٹے خان چوہان راجپوت (چوہان، راجپوتوں کی اونچی گوت ہے) [1]

آپ کی والدہ کا نام اللہ رکھی تھا۔

اللہ رکھی بنتِ نتھے خان بن میاں خان، طُور راجپوت۔ [2]

وطنِ مالوف

مشرقی پنجاب کا ضلع گورداسپور، تحصیل پٹھانکوٹ، گاؤں طاہر پور (طاہر پور کی مغربی جانب دریائے راوی گزرتا ہے) بعد میں قریبی گاؤں اودھے پور میں آپ کا خاندان منتقل ہوگیا، بوجہ اس زمین کے جو آپ کے پرنانا میاں خان کی طرف سے آپ کے ددھیال کو ملی، تقسیمِ ہند تک یہ خاندان اودھے پور میں ہی آباد رہا۔ [3]

---

[1] شہاب الدین غوری کے تسخیر ہند کے وقت دہلی کا راجہ پرتھوی راج چوہان تھا، جس کو غوری نے شکست دے کر ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی (588ھ) انڈیا کا پرتھوی میزائل اسی راجہ کے نام پر ہے، جس کے جواب میں پاکستان نے غوری میزائل ڈیزائن کیا۔

[2] طور بھی راجپوتوں کی گوت اور شاخ ہے۔

میاں خان اور اس کی اولاد نے سکھوں کی طرف سے مسلمانوں کے ایک قریبی گاؤں میں قتل عام کر کے گاؤں پر قبضہ کرنے کا انتقام اس طرح لیا کہ اس گاؤں کا گھیراؤ کر کے وہاں کے تمام سکھوں کو قتل کر دیا، اور اس چھوٹے سے گاؤں کی ساری زمین اپنی تحویل میں لے کر اس میں سے پچاس بیگھے گھسیٹے خان کو دے دی تھی، گھسیٹے خان کی اولاد میں تقسیم ہند تک یہ زمین چلی آتی رہی۔

[3] تقسیمِ ہند کے بعد آپ کے ددھیال ونھیال کے لوگ ہجرت کر کے شکر گڑھ، نارووال، فیصل آباد کے مختلف گاؤں اور دیہاتوں میں آباد ہوگئے، اور یہاں چھوٹی اور بڑی زمینداریاں قائم کیں، اب بھی ان لوگوں کی دوسری، تیسری نسل انہیں علاقوں میں آباد ہے، اور صاحبِ زمین وجائیداد ہے، ضلع گورداس پور کا کچھ حصہ خصوصاً اس کی تحصیل پٹھانکوٹ وہ جگہ ہے،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بچپن کے حالات

آپ کے والد ماجد 1918ء کے طاعون (پلیگ) میں فوت ہوئے، اس وقت آپ کی عمر سال بھر تھی، ابھی پانچ سال کے تھے کہ والدہ بھی وفات پا گئیں، والدین کی وفات کے بعد آپ کی یتیمی کی زندگی، مصائب ومشکلات اور آزمائشوں سے بھرپور تھی، بچپنے کی اس عمر میں

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

جہاں برصغیر کی تقسیم کے وقت انگریز ہندو گٹھ جوڑ کے نتیجے میں ریڈکلف ایوارڈ کی صورت میں وہ تاریخی بد دیانتی ہوئی، جس نے تنازعہ کشمیر کو جنم دیا، اور جس پر پاک بھارت تین جنگیں ہو چکی ہیں، اور سرد جنگ و گوریلا چھاپہ مار جنگ تو مسلسل جاری ہے، دونوں ملکوں کی معیشتوں کو اور عسکری وسائل کو یہ تنازعہ دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔

گورداسپور لاہور ڈویژن کا ضلع تھا، جو تقسیم ہند کے لئے اتفاقِ رائے سے طے کئے گئے، فارمولے کی رو سے پاکستان کے حصہ میں آتا تھا، یہ مسلم اکثریتی آبادی کا ضلع تھا، اس وقت کے اعداد وشمار کی رو سے گورداسپور میں مسلم آبادی کا تناسب 53 فیصد تھا، لیکن ریڈکلف اور نہرو کی سازش سے بھارت کے لئے کشمیر کی طرف راستہ دینے کی خاطر یہاں باؤنڈری لائن ایسی کھینچی گئی کہ پٹھان کوٹ اور اس کے اطراف وجوانب انڈیا کے حصے میں چلے گئے، انڈیا کے لئے جموں وکشمیر کو واحد راستہ پٹھان کوٹ سے جاتا تھا، گورداسپور کا یہ علاقہ ہمارے شکر گڑھ کے سامنے دریائے راوی کے پار پڑتا ہے، اباجی فرماتے تھے کہ گورداسپور کے اس علاقے میں دریائے راوی کی پانچ شاخیں نکلتی تھیں، راوی، بھیتجا، مستو، سنگارواں، اوجھ، ان شاخوں کے درمیان 85 گاؤں آباد تھے، جو سب تقسیم کے فارمولے کے مطابق پاکستان کے حصے میں آنے تھے، لیکن محض کشمیر کا بکھیڑا کھڑا کرنے اور کشمیر کو ہتھیانے کی غرض سے اوجھ والی شاخ کو باؤنڈری بنایا گیا، جس کی وجہ سے راوی کا یہ سارا ذرخیز علاقہ اپنے 85 گاؤں سمیت پکے ہوئے پھل کی طرح پنڈت نہرو کی گود میں آ گرا، اور یہاں کے مسلمانوں کو نقل مکانی کرنی پڑی، ریڈکلف کی اس تاریخی دھاندلی اور ناانصافی پر بانی پاکستان بھی چیخ اُٹھے تھے۔

مزید وضاحت: تقسیم سے قبل انگریزوں نے پنجاب کو انتظامی لحاظ سے پانچ ڈویژنوں میں تقسیم کیا تھا، انبالہ، جالندھر، لاہور، ملتان، اور راولپنڈی ڈویژن، اول الذکر دو ڈویژن مشرقی پنجاب بنے، یعنی انڈیا کے حصہ میں آئے، آخر الذکر تین ڈویژن مغربی پنجاب بنے، یعنی پاکستان کے حصہ میں آئے، انبالہ ڈویژن کے اضلاع انبالہ، شملہ، حصار، روہتک، کرنال، گڑگانواں تھے، جالندھر ڈویژن میں جالندھر، ہوشیار پور، کانگڑہ، فیروز پور اور لدھیانہ کے اضلاع شامل تھے، لاہور ڈویژن کے اضلاع لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، گورداسپور تھے، ملتان ڈویژن میں ملتان، ساہیوال (منٹگمری) لائل پور (فیصل آباد) جھنگ، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان تھے، راولپنڈی ڈویژن میں راولپنڈی، جہلم، گجرات، سرگودھا، اٹک اور میانوالی شامل تھے، لاہور ڈویژن کے ضلع گورداسپور کے کچھ اہم علاقے انڈیا کو دینا یہ باؤنڈری کمیشن کے سربراہ ریڈکلف اور آخری وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی ایک صریح ناانصافی یا سوچی سمجھی برٹش سازش تھی۔ امجد۔

بکریاں چرانا، مویشی سنبھالنا، کھیتی باڑی، زراعت، کاشت کاری کے کاموں میں رات دن جُتتے رہنا، جوتہ و پیزار لباس و پوشاک، کھانے پینے جیسے بنیادی حوائجِ زندگی میں باوجود صاحبِ جائیداد وزمیندار والد کے اکلوتے وارث ہونے کے کسمپرسی کے حالات سے گزرنا، یقیناً عہد طفولیت کی بڑی آزمائش تھی، بچپنے کی اس برہنہ پائی اور خستہ حالی کے آثار ونشاں تلووں اور ایڑیوں وغیرہ پر کنکر و پتھر کے ضربات وصدمات اور کانٹوں کی پھانس اور چبن کی صورت میں آخر عمر تک باقی رہے۔

کرکے پابوسی تیرے دیوانوں کی سرخ رو ہوئے خارِ بیاباں کتنے

آغشتہ اند ہر سر خار بخون دل قانون باغبانی صحرا نوشتہ اند [1]

آپ کی صرف ایک بہن صغریٰ تھی، والدہ کی وفات کے بعد ان کو پھوپھی صاحبہ نے پرورش کیا، سات سال کی عمر میں یہ بچی فوت ہوگئی، اس کے علاوہ کوئی بہن بھائی نہیں تھے۔

تعلیم و تربیت کے احوال

سات سال کی عمر میں گاؤں کے سکول میں داخلہ ہوا، چہارم جماعت تک پرائمری یہاں پڑھی، پنجم میں قریبی قصبہ دینہ نگر کے مڈل سکول میں داخل ہوئے۔ [2]

چھٹی جماعت میں زیرِ تعلیم تھے کہ گھر میں لڑائی جھگڑا ہوکر گھر سے چپ چاپ نکل کھڑے ہوئے۔

امرتسر (سکھوں کا اہم شہر، مغربی پنجاب کا متمدن و گنجان آباد شہر) آگئے، وہاں ایک صاحب علم بزرگ جو زمیندار تھے، اور مال مویشی و کھیتی باڑی کا شغل رکھتے تھے، انہوں نے

---

[1] ہر کانٹے کا رخ اپنے خونِ دل سے نکھار گئے صحرا و بیاباں کی باغبانی کا دستور و قانون مرتب کرگئے۔

[2] اودھے پور اور طاہر پور کا درمیانی فاصلہ تقریباً ۵ کلومیٹر تھا، اودھے پور سے دو ڈھائی کلومیٹر کے فاصلہ پر قصبہ دینہ نگر تھا، دینہ نگر میں تھانہ بھی تھا، سرکاری مڈل سکول، پرائیویٹ سناتن دھرم ہائی سکول (ہندوؤں کا) بھی تھا، طاہر پور کی تحصیل پٹھانکوٹ تھی، جبکہ اودھے پور کا ضلع اور تحصیل دونوں گورداس پور تھا۔

اپنے ہاں رکھ لیا، کچھ عرصہ وہاں رہے، ان صاحب نے آپ کو سکول میں داخل کرنے کے لئے کہا کہ سرٹیفیکیٹ اپنے سابقہ سکول سے منگوالیں، اس طرح گھر میں رابطہ ہوا، گھر والے باصرار آپ کو یہاں سے لے گئے، اب سکول میں داخل نہیں کیا گیا، پورے طور پر زمینداری کے کاموں میں لگ گئے۔

سال بھر بعد پھر گھر سے بھاگ کر پیدل چل کر کئی دن میں لاہور پہنچے، فرماتے تھے کہ لاہور کا یہ سفر پیدل 3 دن میں طے ہوا۔ [1]

وہاں یتیم خانے میں داخل ہوئے، یہاں بھی تعلیم کے سلسلے میں سکول سرٹیفکیٹ کی ضرورت پڑی، جس سے گھر خبر ہوگئی، اور چچا صاحب آپ کو واپس لے گئے۔

کچھ عرصہ گھر میں گزارنے کے بعد تیسری دفعہ گھر سے بھاگنے کی نوبت آئی، فرماتے تھے کہ یہ حالات کا جبر تھا، ایک یتیم بچے کی مشکلات سے بھرپور زندگی کا المیہ تھا کہ اسے بار بار گھر سے آوارہ و پریشاں ہو کر بے سروسامانی کے حالات میں دربدر بھٹکنا پڑا، لیکن اس دفعہ کے بھاگنے نے آئندہ ہدایت اور علم سے بھرپور زندگی کے راستے کھولے ؎

کبھی عرش پر کبھی فرش پر کبھی ان کے در کبھی دربدر
اے غمِ زندگی تیرا شکریہ میں کہاں کہاں سے گزر گیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی حالات کے جبر سے بھاگ کر اپنے لئے راستہ ڈھونڈنا پڑا، اور پھر راستہ نکالنے والے رب نے راستہ نکالا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّيْ أَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَاءَ السَّبِيْلِ

(سورۃ القصص، آیت نمبر ۲۲)

---

[1] پہلے دن، دن بھر پیدل چل کر رات بٹالہ پہنچے، جو گورداسپور سے لگ بھگ 35 کلومیٹر تھا، فٹ پاتھ پر رات گزاری، دوسری رات امرتسر پہنچے، شہر کے باہر کمپنی باغ میں رات بسر کی، تیسری رات لاہور اور امرتسر کے درمیان ایک قصبہ میں گزاری، چوتھے دن عصر کے وقت لاہور پہنچے، واضح رہے کہ آپ کے گاؤں اودھے پور سے امرتسر تقریباً 85 کلومیٹر اور لاہور 145 کلومیٹر کے لگ بھگ تھا، یہ اتنا فاصلہ بنتا ہے، جتنا راولپنڈی اور مانسہرہ کے گاؤں اچھڑیاں کے درمیان ہے، جہاں آپ کی تدفین ہوئی ہے، لگ بھگ ڈیڑھ سو کلومیٹر۔

ترجمہ: اور جب (موسیٰ) مدین کی طرف رخ کر کے چل پڑے تو کہنے لگے مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ لے چلے گا۔

کوئی شعیب آئے میسر تو شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اب کے بار بھاگ کر پیدل سفر کرتے ہوئے چار دنوں میں لاہور پہنچے۔

مجھے سہل ہوگئیں منزلیں

لاہور پہنچ کر تائید غیبی سے شیرانوالہ مرکز میں حضرت اقدس شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری علیہ الرحمۃ کے ہاں پہنچے، جن کے مشہور درسِ قرآن کی گونج دور دراز علاقوں تک سنائی دے رہی تھی۔ [1]

نمازِ عصر کے بعد حضرت لاہوری سے ملاقات ہوئی، پڑھنے کا عندیہ ظاہر کیا، حضرت نے فرمایا کہ ہمارے ہاں تو صرف درسِ قرآن اور درسِ حدیث ہوتا ہے، باضابطہ نظامی مدارس کے طرز پر درسِ نظامی کی تعلیم نہیں ہوتی، حضرت نے رات کو اپنے ہاں ٹھہرایا، اور صبح گوجرانوالہ کے مشہور مدرسہ انوار العلوم بھیج دیا۔

مجھے سہل ہوگئیں منزلیں ہوا کے رخ بھی بدل گئے
تیرا ہاتھ ہاتھ میں آ گیا چراغ راہ کے جل گئے

---

[1] مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ: ولادت رمضان ۱۳۰۴ھ (1887ء کے لگ بھگ) وفات ۱۳۸۱ھ 22 فروری 1962ء، آپ کی تعلیم وتربیت میں درج ذیل بزرگانِ دین نے حصہ لیا، سندھ کے عظیم بزرگ پیر طریقت مولانا غلام محمد دین پوری، مولانا تاج محمد امروٹی، مولانا عبیداللہ سندھی، گوٹ پیر جھنڈا کے مدرسہ دارالرشاد میں تعلیم حاصل کی، 1927ء میں فارغ التحصیل ہوئے، آپ کے والد شیخ حبیب اللہ سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے، صاحبِ نسبت بزرگ تھے، شیخ حبیب اللہ نومسلم تھے، ہندو سے مسلمان ہوئے تھے، سنا ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہوتے تھے کہ سید کے بیٹے نے ہیر لکھی (پنجابی ادبی شاہکار ہیر کے مصنف وارث شاہ کی طرف اشارہ ہے) اور سکھ کے بیٹے نے قرآن کی تفسیر لکھی (حضرت لاہوری کی طرف اشارہ ہے) لاہور میں بیٹھ کر آپ نے قریب نصف صدی اسلام کی تبلیغ واشاعت اور قرآن کے درس وتفسیر کا فیض لٹایا، تحریک آزادی ہند کے عظیم مجاہد تھے، قیدوبند کی آزمائشوں سے بھی گزرے۔

مولانا عبدالعزیز صاحب جو وہاں کے ذمہ دار تھے، ان کے نام سفارشی خط حضرت لاہوری نے لکھا (واضح رہے کہ گوجرانوالہ کے مولانا عبدالعزیز اور مولانا چراغ اپنے دور کی علمی دنیا کی معروف شخصیات تھیں) [۱]

اگلی صبح یہ سفارشی خط لے کر پیدل گوجرانوالہ کے لئے روانہ ہوئے، رات تک گوجرانوالہ سے تقریباً 20 کلومیٹر پہلے ایک گاؤں میں پہنچے، وہاں مسجد میں رات گزاری، اگلی صبح فجر کی نماز پڑھ کر نکل کھڑے ہوئے، اپریل کا مہینہ تھا، لگ بھگ نو بجے تک گوجرانوالہ پہنچ گئے، خط پیش کیا، مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم نے داخلہ دے دیا، وہاں ناظرہ قرآن مجید سے تعلیم کا آغاز کیا۔ [۲]

یہاں انوار العلوم میں ناظرہ قرآن کے ساتھ علم الصرف (عربی گرائمر) کی مشہور پنجابی کتاب قانونچہ کھیوالی بھی پڑھی۔ [۳]

چند ماہ یہاں پڑھنے کے بعد استاد صاحب یہاں سے دہلی منتقل ہو گئے، تو آپ اور ایک دوسرے طالب علم بھی ان کے ہمراہ دہلی پہنچ گئے، گوجرانوالہ سے دہلی کا سفر ریل کے ذریعہ ہوا۔

دہلی کا زمانۂ تعلیم

دہلی میں ایک مدرسہ حمیدیہ تھا، وہاں داخل ہوئے، تین روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، جس میں اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کرنا ہوتا تھا۔ [۴]

---

[۱] گوجرانولہ میں/ شیرانوالہ دروازہ کے پاس/ مدرسہ انوار العلوم کی عظمت وشہرت آج بھی قائم ہے، مشہور فنی عالم شیخ حمید اللہ مرحوم، جو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی فوت ہوئے، یہاں کے لائق فائق مدرس تھے، جو درسِ نظامی کے فضلاء کو فنون میں تکمیل کا نصاب پڑھاتے تھے، مولانا زاہد الراشدی صاحب یہاں کی جامع مسجد کے خطیب ہیں۔

[۲] کچھ قاعدہ ناظرہ اپنے گاؤں کی مسجد میں امام مسجد حسین شاہ میاں جی سے پہلے پڑھ چکے تھے۔

[۳] قانونچہ کھیوالی عرصہ تک پنجاب کی درس گاہوں میں شاملِ نصاب رہی۔

[۴] خود آٹا گوندھ کر قریب میں تنور والے سے روٹی لگوا لیتے تھے، روٹی لگوانے کے تنور والے کو مہینہ کے گیارہ آنے دیتے تھے۔

مدرسہ حمیدیہ میں درج ذیل کتبِ فنون کی تعلیم حاصل کی:

(۱) میزان (۲) منشعب (۳) علم الصرف (۴) پنج گنج (۵) مفید الطالبین [۱]

کوئٹہ کا مشہور زلزلہ

1935ء میں جب کوئٹہ کا مشہور تباہ کن زلزلہ آیا تھا۔ [۲]

---

[۱] ان میں سے بیش تر کتب اب بھی درسِ نظامی کا حصہ ہیں۔

میزان الصرف درسِ نظامی میں صدیوں سے عربی گرائمر کی بنیادی وابتدائی کتاب کے طور پر شاملِ درس ہے، اس کا مصنف تاریخ کے اندھیروں میں گم ہے، شراح واہلِ سیر نے اپنے اپنے قرائن وقیاسات سے مختلف اقوال اس کے مصنف کے متعلق پیش کئے ہیں، نواب صدیق حسن خان نے بعض شراح کی طرف منسوب کرکے ''وجہ الدین عثمان'' کا نام پیش کیا ہے (دیکھئے سلسلۃ العسجد) دوسرا قول ملا حمزہ یعنی منشعب کے مصنف کے بارے میں ہے کہ میزان بھی انہوں نے لکھی، تیسرا قول شیخ صفی الدین جونپوری رودولوی کے بارے میں ہے، جن کا سن وفات ۸۱۹ھ ہے، وغیرہ اقوال۔

عبدالحیٔ الحسنی الندوی رحمہ اللہ (ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے والد بزرگوار) نے الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند میں منشعب کا مصنف ملا حمزہ بدیوانی کو ذکر کیا ہے، میزان کے ساتھ منشعب بھی علم صرف کی اساسی کتاب ہے۔

''علم الصرف''، اس کے مصنف سراج الدین عثمان اودھی ہیں، جو ہدایۃ النحو کے بھی مصنف ہیں، ان کو 'اخی سراج'' کہا جاتا ہے، خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ ومرید ہیں، ظلمت کدہ ہند میں اشاعت وتبلیغِ اسلام کے عظیم مشن میں خواجہ نظام الدین اولیاء کے جن مریدانِ باصفا نے حصہ لیا، اور لاکھوں دلوں کو نورِ ایمان سے منور کیا، ان میں اخی سراج کا بھی نہایت اونچا پایہ ہے، بنگال کے کروڑوں مسلمانوں کا اسلام شیخ سراج الدین کے کھاتے میں ہے، خواجہ نظام نے دہلی کو مرکزِ ثقل بنا کر مختلف صوبوں میں اپنے تیار کردہ قدوسی صفات شخصیات کو ایک ایک کرکے بھیجا، تو بنگال شیخ اخی سراج کے حصے میں آیا، یہاں اشاعتِ اسلام کا عظیم مشن آپ نے سرانجام دیا، آپ کی وفات ۷۵۷ھ میں ہوئی جزی اللہ عنا وعن جمیع المسلمین۔

ہدایۃ النحو، پنج گنج کے علاوہ میزان الصرف کے بارے میں بھی ایک قول آپ کی تصنیف ہونے کا ہے، واللہ اعلم۔

مفید الطالبین: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی کی تالیف ہے، جن کی وفات ۱۳۱۲ھ 1894ء میں بعمر ستر سال ہوئی، بڑے صاحبِ کمال بزرگ تھے، علمائے دیوبند کے اکابرین میں شمار ہوتے ہیں، تصنیف وتالیف کا بہت کام آپ نے کیا، امام غزالی کے احیاء العلوم کا اردو ترجمہ آپ کی بہت بڑی خدمت ہے، آپ کو حضرت شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ سے بیعت وخلافت حاصل تھی، مولانا مظہر نانوتوی جو اکابر علمائے دیوبند میں سے ہیں، اور مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت رشید احمد گنگوہی سے بڑے تھے، آپ کے بھائی ہیں۔

[۲] صدیوں میں تہذیب وتمدن کے مدارج طے کرکے دورِ فرنگ میں بامِ عروج تک پہنچنے والا کوئٹہ شہر جس کی شہری آبادی اس زمانے میں بھی ایک لاکھ سے متجاوز تھی، 1935ء کے قیامت خیز زلزلہ میں ملبے کا ڈھیر بن کر رہ گیا، یہ زلزلہ برصغیر کی تاریخ خصوصاً برٹش ہندوستان کے عہد کا عظیم سانحہ تھا، جدید کوئٹہ زلزلے سے تباہ شدہ کوئٹہ کے کھنڈرات پر دوبارہ آباد ہوا ہے۔

تو آپ مدرسہ حمیدیہ میں ہی زیرِ تعلیم تھے، اسی زمانے میں آپ نے چھٹیوں میں طویل عرصہ بعد اپنے گاؤں واپسی کی، کچھ عرصہ گاؤں میں رہے، پھر دہلی جانے کے بجائے امرتسر میں تعلیمی سلسلہ شروع کیا۔

امرتسر، مولانا داؤد غزنوی کے مدرسہ میں

مولانا داؤد غزنوی مرحوم مسلکِ اہلِ حدیث کے بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ [1]
امرتسر کے کوچہ ڈب گراں میں ان کا مدرسہ تھا، اب کے وہاں تعلیمی سلسلہ شروع کیا، واضح رہے کہ حضرت مفتی محمد حسن امرتسری علیہ الرحمۃ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ نے بھی امرتسر کے اہلِ حدیث مدرسہ میں دورہ حدیث پڑھا تھا۔ [2]
مشہور واقعہ ہے کہ جب حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے آپ وابستہ ہوئے تو حضرت تھانوی

---

[1] مولانا داؤد غزنوی، مولانا عبدالجبار غزنوی کے لائق فائق صاحب زادے اور مولانا عبداللہ غزنوی کے پوتے ہیں، محدث، سیاسی و مذہبی رہنما، تحریک آزادی ہند کے عظیم رہنما تھے، 1893ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے، 1919ء میں تحریکِ خلافت میں حصہ لے کر سیاسی زندگی کا آغاز کیا، افتاء اور درس تدریس کی مسند خانہ زاد اور موروثی تھی، نیشنل کانگرس سے بھی تعلق رہا، 1929ء میں مجلس احرار میں شمولیت کی، ان تحاریک کے سلسلے میں قید و بند کے مرحلوں سے بھی گزرے، تحریکِ پاکستان کے آخری ادوار میں مسلم لیگ میں حصہ لیا، قیامِ پاکستان کے بعد لاہور مسجد چینیاں والی سے اپنی خدمات کا سلسلہ شروع کیا، اور آخر تک یہیں سے اپنی خدمات جاری رکھیں، امرتسر سے ''توحید'' نام کا ایک مجلّہ بھی ایک زمانے میں آپ نے جاری کیا تھا، 26 جنوری 1963ء میں وفات پائی، وفات کے ۲۶ سال بعد پاکستانی اشرافیہ کو آپ کی خدمات یاد آئیں، اور آپ کے لئے تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل جاری کیا گیا۔

[2] مفتی محمد حسن رحمہ اللہ لاہور، جامعہ اشرفیہ کے بانی، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ، مدرسہ نعمانیہ امرتسر کے رئیس المدرسین، آئینِ پاکستان کے اہم حصہ و دیباچہ قراردادِ مقاصد کی تیاری و منظوری میں آپ کا بھی حصہ ہے، ولادت 1878ء، وفات جون 1961ء آپ کے حالاتِ زندگی احسن السوانح اور تذکرہ حسن میں مفصل مذکور ہیں، وضاحت مزید، بندہ امجد راقم الحروف کے نانا مولوی جمعہ خان مرحوم (وفات نومبر 1988ء) آپ سے بیعت تھے، اور آپ کی نسبت سے پیری مریدی کا حلقہ رکھتے تھے، ٹیکسلا حسن ابدال کے اطراف میں ان کے مریدین کا اچھا خاصہ حلقہ تھا، نیز بندہ کے والد صاحب دیوبند سے فراغت کے بعد مفتی محمد حسن صاحب کی خدمت میں امرتسر میں قیام پذیر رہے، والد صاحب فرماتے تھے کہ جب آپ کو جمعہ پڑھانے سے عذر ہوتا، تو میں آپ کی مسجد میں جمعہ پڑھاتا تھا۔

نے بیعت ہونے کے لئے یہ شرط رکھی تھی کہ آپ دوبارہ دارالعلوم دیوبند جا کر دورہ حدیث پڑھیں، اور یہ شرط حضرت مفتی صاحب نے پھر پوری کی۔

امرتسر کے اس مدرسہ میں رمضان تک تعلیمی سلسلہ پورا کیا، رمضان کے بعد جب مدرسہ آئے تو گوجرانوالہ کے استاد (مولانا عبد الستار) پیغام چھوڑ گئے تھے کہ ہمارے پاس گجرات آجائیں، چنانچہ اب آپ گجرات آ گئے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سے تعلق

استاد کی وساطت سے گجرات میں مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ [1]

مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کالری دروازہ گجرات کی جامع مسجد کے خطیب بھی تھے، شاہ صاحب سے پہلے عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اس جامع مسجد کے خطیب تھے، جو اب امرتسر منتقل ہو گئے تھے، اباجی کا سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب سے بھی تعلق رہا، فرماتے تھے کہ مجھے بستر باندھنے کا طریقہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ہی سکھایا تھا، عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمہ کی تقریب سے تحریک احرار سے بھی متعلق رہے۔ [2]

---

[1] گجرات کا یہ مدرسہ اب بھی قائم ہے، اور اپنی مخصوص شناخت اور تشخص رکھتا ہے، مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری 90ء کے عشرے میں فوت ہوئے، مولانا عنایت اللہ صاحب اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بانیوں میں سے ہیں، مولانا غلام اللہ خان صاحب آپ کے رفقاء میں سے تھے، آپ کے بعد آپ کے صاحب زادے سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری تنظیم کے بھی اور گجرات کے اس مرکز قرآن وسنت کے بھی امیر و بزرگ ہیں۔

[2] امیر شریعت عطاء اللہ صاحب بخاری رحمہ اللہ ۱۳۱۰ھ کو پٹنہ بہار میں پیدا ہوئے ۱۳۸۱ھ (1961ء) میں فوت ہوئے، 1919ء میں امرتسر جلیانوالہ باغ کے حادثہ کے بعد تحریک وحریت کے میدان میں اترے، چالیس سال تک آزادی ہند اور مسلمانوں کی سماجی برائیوں، شرک وبدعات کی تردید کی جنگ لڑتے رہے، تحریکِ خلافت میں بھی بھرپور حصہ لیا، قادیانیت کی بیخ کنی کا محاذ سنبھالا، اتو عزیمت وقربانی اور جہد وجہاد کی لازوال تاریخ مرتب کی، دسیوں سال عمر عزیز کے فرنگیوں کی قید میں اور قیامِ پاکستان کے بعد فرنگیوں کے دیسی وارثوں کی قید میں گزرے۔ ؏

عمر عزیز سے مانگ کے لائے تھے چار دن، دو جیل میں کٹے دو ریل میں

گجرات کا زمانہ قیام

گجرات کا تعلیمی عرصہ 1936ء تا 1939ء کے سن و سال پر محیط ہے، یہاں ترجمہ وتفسیر، فقہ، فنون، صرف ونحو کی کتب پڑھیں، خود عنایت اللہ شاہ صاحب سے دس پارے ترجمہ قرآن اور علم نحو کی معروف کتاب کافیہ پڑھی، فرماتے تھے کہ شاہ صاحب کا مجھ پہ اتنا اعتماد تھا کہ شاہ صاحب اپنی عدم موجودگی میں جمعہ پڑھانے کی ذمہ داری میرے متعلق کرتے تھے، آپ کی غیر موجودگی میں جامع مسجد میں جمعہ پڑھاتا تھا۔

ایک اونچی نسبت

مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے استاد مولانا عبدالرحمٰن علیہ الرحمۃ تھے، جو حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے، ان سے اباجی نے فقہ میں قدوری اور نحو میں ہدایۃ النحو پڑھی۔

ان کے علاوہ درسِ نظامی کی درج ذیل کتب یہاں گجرات کے زمانہ قیام میں پڑھیں، فقہ میں شرح وقایہ، کنز الدقائق، ہدایہ اولین، ہدایہ اخیرین۔ [1]

عربی ادب میں مقامات حریری، دیوان متنبّی، حماسہ، سبعہ معلقات۔ [2]

---

[1] شرح وقایہ: فقہ حنفی کے معروف متن ''وقایہ'' کی شرح ہے، درسِ نظامی کا حصہ ہے، شرح وقایہ کے مصنف صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود بن محمود (المعروف تاج الشریعہ) ہیں، جبکہ اس کا متن وقایہ ان کے دادا تاج الشریعہ کا ہے، وقایہ کی اہمیت وعظمت اس سے واضح ہے کہ یہ فقہ حنفی کے چار متنوں میں سے ایک ہے، صدر الشریعہ اور تاج الشریعہ دونوں فقہ حنفی کے چوٹی کے فقہاء ہیں، یہ خاندان ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کے مصداق ہے، نسل در نسل اس خاندان میں فقہاء وعلماء کا تسلسل رہا ہے۔

کنز الدقائق فقہ حنفی کا مشہور متن ہے اس کے مصنف ابوالبرکات عبداللہ بن محمد نسفی علیہ الرحمہ ہیں جو امام نسفی کے نام سے معروف ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

[2] مقامات حریری: عربی ادب کی شہرہ آفاق کتاب ہے، مصنف قاسم بن علی بن محمد حریری ہیں، ریشم کا کاروبار کرنے کی وجہ سے حریری کے نام سے مشہور ہیں (حریر ریشم کو کہتے ہیں) ۴۴٦ھ میں پیدا ہوئے، یہ خلیفہ مسترشد باللہ عباسی کا عہدِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

الٹے بانس بریلی کو

1939ء میں زمین کی قانونی کارروائی کے معاملے میں گھر سے بلاوا آنے پر آپ گھر آ گئے، کئی ماہ گھر میں قیام کرنا پڑا، اس عرصہ میں گاؤں کی مسجد میں جمعہ پڑھانے اور بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے میں مشغول رہے، تاکہ وقت بے مصرف ضائع نہ ہو۔

پھر اپنے ایک رفیق مولوی عبدالرحمٰن بخاری (فارسی بان) سے مکاتبت کے نتیجے میں (جو بریلی میں تھے) آپ نے بھی بریلی جا کر پڑھنے کا ارادہ کیا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

خلافت تھا، مقامات مقامہ کی جمع ہے، مقامہ کی اصطلاح عربی ادب میں اس زمانے میں مختصر اور دلپسند کہانی کے لئے استعمال ہوتی تھی، آج دب میں افسانہ کی جو صنف ہے، اس عہد میں مقامہ گویا یہی صنف تھی، مقامات عربی لغت و بلاغت، فصاحت وندرت، اور عجیب وغریب افسانوی
خیالات کا خزانہ ہے، اور یہ کتاب گویا کہ موتیوں کی لڑی ہے، بعد کی صدیوں میں ادبی وعلمی حلقوں میں مقامات ہمیشہ ہاتھوں ہاتھ لی جاتی رہی، اور اس کی شروحات لکھی جاتی رہیں۔

دیوانِ متنبّی: ابوطیب احمد بن حسین کندی کوفی متنبّی کے اشعار اور کلام کا مجموعہ ہے، یہ کوفہ کے محلّہ کندہ میں ۳۰۳ھ میں پیدا ہوا، متنبّی جھوٹے نبوت کے دعویدار کو کہتے ہیں، اس کے دماغ میں ایک زمانے میں نبی بننے کا خناس بھی سمایا تھا، جیل کی سزا بھگت کر، یہ خبط دماغ سے نکلا، متنبّی کا کلام غزل کے ایک جدید رنگ اور اسلوب کا شاہکار ہے، بعد کے زمانوں میں عربی پھر فارسی پھر اردو متنبّی کے تغزل کا یہ رنگ اور اسلوب غزل کے لئے رائج ہوا، گویا کہ متنبّی غزل کے اس اسلوب کا بانی ہے، جس نے صدیوں تک تینوں زبانوں کے ادب میں اس خاص صنف کو اپنے نقشِ قدم پر چلایا، متنبّی پہلے ملک کافور اور پھر سیف الدولہ (مصر) کے دربار سے وابستہ رہا، اس کی رزمیہ شاعری سیف الدولہ کی مدح آرائی سے بھری ہوئی ہے، ۳۵۴ھ میں بغداد کے قریب اپنے بیٹے اور غلام کے ساتھ بنوضبہ کے ہاتھوں قتل ہوا، ضبہ کی اس نے بہت بھونڈی اور گھٹیا الفاظ میں ہجو کہی تھی، ضبہ ایک بااثر رئیس اور سردار تھا۔

[1] بریلی انڈیا کے صوبہ اتر پردیش یعنی یوپی میں واقع ہے، ایک پرانا تاریخی شہر ہے، ضلعی صدر مقام بھی ہے، دریائے گنگا کے کنارے ایک بلند سطح زمین پر واقع ہے، تاریخی یادداشتوں کے مطابق (دیکھئے 1951ء کی مردم شماری، انڈیا، بریلی) اس شہر کی بنیاد
1537ء (۹۴۴ھ) میں رکھی گئی، ایک راجپوت باس دیو کے نام پر یہ شہر قائم ہوا، اسے بانس بریلی کہتے ہیں، کیونکہ اس کے مضافات میں بانس کا ایک جنگل تھا، نیز تاکہ ایک دوسرے شہر رائے بریلی سے اس کا امتیاز رہے، رائے بریلی حضرت سید

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بریلی آ کر آپ مولانا یٰسین سرہندی کے مدرسہ میں داخل ہوئے، مولانا یٰسین سرہندی فاضل دیو بند تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن علیہ الرحمۃ کے شاگرد تھے۔

یہاں فنون میں قطبی، ملا حسن اور علمِ حدیث میں مشکوٰۃ شریف پڑھی، یہاں ایک بہت سن رسید بزرگ تھے، بانی دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمۃ کو بھی دیکھے ہوئے تھے، فارسی ادب کے بڑے ماہر تھے، ان سے آپ نے دفتر ابوالفضل، رقعاتِ عالم گیری وغیرہ فارسی لٹریچر پڑھا، یہیں منشی فاضل کے نصاب کی بھی تیاری کی۔

بریلی کا زمانہ قیام ڈھائی سال ہے، اس عرصہ میں یہیں مستقل مزاجی سے تعلیم حاصل کی۔

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

احمد شہید اور ان کے خاندان وعلمی ودینی خانوادے کا مسکن ووطن تھا، اس آخری زمانے میں حضرت ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی ذات اور آپ کی ملی ودینی خدمات نے (وفات دسمبر 1999ء) رائے بریلی کے اس قدیم علمی خانوادے کی عظمت وشہرت کو نئی شان اور نئی آب وتاب کے ساتھ زندہ بھی کیا، اور زندہ رکھا بھی، بانس بریلی کے بارے میں یہ محاورہ چلتا تھا ''الٹے بانس بریلی کو'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی جگہ میں باہر سے وہ چیز لے جائی جائے، جس چیز کی اس جگہ فراوانی اور پیداوار ہوتی ہو، بانس بریلی کی پیداوار تھی، کوئی باہر سے بریلی بانس لے کر جائے، تو کہا جائے گا الٹے بانس بریلی کو، 1857ء کی جنگِ آزادی میں بریلی کی وجہ شہرت اس علاقے کا جنگ میں ایک اہم محاذِ جنگ ہونا اور جنگِ آزادی کے اہم لیڈر جنرل بخت خان کا اس علاقے کا باشندہ ہونا بھی ہے، جنرل بخت خان ہماری آزادی کی جنگ کا تاریخی کردار ہے، جو 1857ء کے ہنگامہ گیرودار میں انگریزوں کے مدِ مقابل مسلمان جنگجوؤں کا، مجاہدینِ جنگِ آزادی کا سپہ سالار تھا۔ بریلی کی پچھلی صدی میں ایک وجہ شہرت بریلوی مسلک کے بانی جناب مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی بھی ہیں، پھر اسی نسبت سے اس مسلک کے لوگ بریلوی کہلائے (خان صاحب بریلوی کی وفات 1921ء بمطابق ۱۳۴۰ھ میں ہوئی) 1857ء کی جنگِ آزادی سے پہلے مغل سلطنت کے طوائف الملوکی کے دور میں یہ شہر پہلے پٹھانوں اور مرہٹوں کی پنجہ آزمائی کا مرکز بھی رہا، مشہور روہیلہ پٹھان سردار حافظ رحمت خان نے اودھ لکھنؤ کے شیعہ فوجوں سے ٹکر لے کر اس علاقے پر اپنا خود مختارانہ تصرف قائم کیا، 1770ء میں سندھیا اور ہلکر مرہٹہ سرداروں نے مرہٹہ گردی کی اور ان کی معاونت سے نجیب الدولہ نے حملہ کر کے حافظ رحمت خان کے لشکر کو شکست دی، اور آخر میں شیعہ نواب شجاع الدولہ روہیلوں سے بھڑ گیا اور باہم جنگوں میں شجاع الدولہ فتح مند اور حافظ رحمت خان مقتول ہوئے، اٹھارہویں صدی کا یہ افراتفری کا دور اور ہماری ملی تاریخ کا دردناک باب ہے، واضح رہے کہ روہیلے پٹھان کٹر سنی حنفی تھے، حافظ رحمت خان کا مقبرہ بریلی کا تاریخی مقام ہے۔

مرادآباد مدرسہ قاسمیہ میں

بریلی کے بعد مرادآباد کے قدیم تاریخی مدرسہ شاہی جامعہ قاسمیہ میں آئے، لیکن یہاں آپ کی تعلیم کا سلسلہ نہ بن سکا۔ ۱

چاندپور میں

چاندپور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری علیہ الرحمۃ کا قصبہ ہے، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری علیہ الرحمۃ علمائے دیوبند میں قدآور شخصیت ہیں۔ ۲

حضرت حکیم الامت تھانوی علیہ الرحمۃ کے مجاز اور مسلکِ دیوبند کے ترجمان اور مناظر تھے، آپ

---

۱ واضح رہے کہ مفتی محمود صاحب علیہ الرحمۃ بانی امیر جمعیت علمائے اسلام، پدرِ بزرگوار مولانا فضل الرحمٰن صاحب بھی مدرسہ شاہی مرادآباد کے فیض یافتہ ہیں۔

مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ 1909ء میں موضع عبدالخیل، علاقہ پنیالہ، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے، میٹرک تک پنیالہ ہائی سکول میں تعلیم حاصل کی، اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے ہندوستان میں مرادآباد (مدرسہ شاہی) اور دہلی وغیرہ میں قیام رہا، ۱۳۶۰ھ بمطابق 1941ء میں سندِ فراغت حاصل کی وطن واپس آکر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، ۱۳۷۰ھ (1951ء کے لگ بھگ) میں مدرسہ قاسم العلوم ملتان سے وابستہ ہوئے، یہاں شیخ الحدیث اور افتاء کے منصب پر فائز رہے، ہزاروں فتاویٰ آپ کے قلم سے صادر ہوئے، جو فتاویٰ مفتی محمود کے نام سے کئی جلدوں میں مطبوعہ ملتے ہیں، یہ فتاویٰ آپ کی فقاہت اور علمی رسوخ کا منہ بولتا ثبوت ہیں، ملکی سیاسیات میں آپ نے جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے حصہ لیا، اور قائد جمعیت بنے، صدر ایوب، ذوالفقار علی بھٹو اور ضیاء الحق مرحوم تینوں کے ادوار میں آپ نے بھرپور سیاسی کردار ادا کیا، 1970ء کے انتخابات میں صوبہ سرحد میں آپ وزارت علیا پر فائز ہوئے، اور آپ کی جماعت کی حکومت قائم ہوئی، درویش وزیر اعلیٰ کا مثالی نام آپ کی پہچان بنا، قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں اسمبلی کے اندر جو جنگ لڑی گئی، اس میں آپ کا کردار سرِ فہرست ہے، آپ کے والد مولانا محمد صدیق صاحب نقشبندیہ سلسلہ کے شیخ تھے، مفتی صاحب کو اپنے والد صاحب سے تصوف میں خلافت حاصل تھی، آپ کی وفات حج کو جاتے ہوئے کراچی میں جامعہ بنوری ٹاؤن میں اکتوبر 1980ء، ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ میں ہوئی۔

۲ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری ۱۲۸۵ھ کو قصبہ چاندپور میں پیدا ہوئے، ۱۲۹۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، حضرت شیخ الہند اور وقت کے دیگر اکابر سے کسبِ فیض کیا، مناظرِ اسلام تھے، ہندو آریہ سماج سے آپ کے تاریخی مناظرے ہوئے، ردِ قادیانیت پر بہت علمی کام کیا، حضرت حکیم الامت سے خلافت حاصل تھی، تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا، 1953ء میں وفات پائی۔

کی ذاتی لائبریری کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے سے زیادہ نایاب کتب اس میں فراہم تھیں۔

مراد آباد سے، اباجی چاند پور مولانا مرتضیٰ حسن کی خدمت میں روانہ ہوئے، پیدل سفر تھا، تین دن میں چاند پور پہنچے، حضرت چاند پوری علیہ الرحمۃ نے اپنے ہاں ٹھہرایا، اپنے وسیع کتب کی لائبریری کی ترتیب پر مامور کیا، چند دن ان کے ہاں ٹھہرے، پھر حضرت چاند پوری نے سفارشی خط مولانا ولی احمد علیہ الرحمہ کے نام لکھا، جو حسن پور مراد آباد میں مدرسہ قادریہ کے صدر المدرسین اور استاد الحدیث تھے۔ [1]

حسن پور مراد آباد میں

مدرسہ قادریہ حسن پور میں آپ نے حضرت مولانا ولی احمد صاحب سے شرح جامی (نحو) قطبی (منطق) ملا حسن (بریلی میں یہ کتب نامکمل چھوڑ کر آئے تھے) مشکوٰۃ اور ترمذی (علم حدیث) پڑھیں۔ [2]

---

[1] مولانا ولی احمد علیہ الرحمۃ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن علیہ الرحمۃ کے شاگرد، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ اور بڑے صاحبِ نسبت وصاحبِ علم بزرگ تھے، اصل وطن آپ کا حسن ابدال سے کچھ آگے قصبہ برہان ہے (اب بھی آپ کی اولاد یہاں آباد ہے) راولپنڈی صدر میں کنک منڈی نزد ریلوے اسٹیشن کی جامع مسجد آثار الولی آپ ہی کے نام سے موسوم ہے، اس کا افتتاح آپ کے دستِ مبارک سے ہوا، جامع مسجد کی بیرونی دیوار پر تاریخ کے ساتھ آپ کے نام کا کتبہ اب بھی نصب ہے، غالباً ۸۸ یا ۸۹ء کی بات ہے کہ آپ کے بیٹے نے آپ کی کتب کا کچھ ذخیرہ اباجی کے ذریعے جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کے کتب خانے کے لئے بھجوایا تھا۔
اباجی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت اور مجلس میں اپنے اس شفیق استاد مولانا ولی احمد کی وساطت سے ہی رسائی حاصل کر سکے تھے، اس وقت حضرت حکیم الامت لکھنو میں علاج کے سلسلے میں تشریف لائے تھے، اور رمضان آپ نے لکھنو میں گزارا تھا، مولانا ولی احمد بھی حضرت کی خدمت میں رمضان گزارنے آئے تھے، اباجی نے ان کے ذریعے سے اجازت حاصل کر کے بارگاہِ تھانوی میں شرف باریابی حاصل کی۔

[2] شرح جامی نحو کی کتاب، کافیہ کی معرکۃ الاراء شرح ہے، کئی صدیوں سے درسِ نظامی کے نصابِ تعلیم کا لازمی حصہ ہے، انتہائی اہم اور مشکل کتاب سمجھی جاتی ہے، مصنف مشہور ومعروف صاحبِ نسبت بزرگ ملا عبدالرحمٰن جامی ہیں، زمانہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مدرسہ قادر یہ مراد آباد کا عرصۂ قیام لگ بھگ اڑھائی سال ہے، یہاں سے چندیانہ (ایک شہر کا نام) تشریف لے گئے، وہاں ایک جید عالم مولانا فاروق امام بہاری سے میبذی (فلسفہ کی درسی کتاب) توضیح تلویح (اصولِ فقہ میں) پڑھیں۔

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں آمد

چندیانہ میں سالانہ امتحان کے لئے دارالعلوم دیوبند کے معین ناظم تعلیمات حضرت مولانا بشیر احمد صاحب تشریف لائے (مولانا موصوف چندیانہ ہی کے تھے، اس وجہ سے شائد سالانہ امتحان کے لئے ان کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں)

اب آگے آپ کی تکمیلی اور اعلیٰ درجات (موقوف علیہ اور دورۂ حدیث) کی تعلیم کا مرحلہ تھا،

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

۸۱۷ھ تا ۸۹۸ھ، ۵۰ سے زیادہ تصانیف آپ نے لکھی ہیں، فارسی ادبی شاہکار ''یوسف زلیخا'' آپ کے قلم کا جواہر پارہ ہے، یہ مشہور نعت ''یوسف زلیخا'' میں آپ ہی کی ہے۔

زمہجوری برآمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی زمحروماں چرا غافل نشینی

آپ سلسلہ نقشبندیہ سے تھے، نفحات الانس، حضرات القدس، شرح فصوص الحکم وغیرہ آپ کی معروف کتب ہیں۔

قطبی، منطق کی مشہور نصابی کتاب، قطب الدین تحتانی کی ہے، ولادت ۶۹۲ھ وفات ۷۶۶ھ۔

ملاحسن: منطق کی ایک مشہور کتاب سلم العلوم کی درسی شرح ہے، شامل نصاب رہی ہے، مصنف محمد حسن المعروف ملاحسن ہیں، درسِ نظام کے مرتب وبانی ملا نظام الدین کے خاندان میں سے ہیں، ملا قطب الدین شہید سہالوی کے پڑپوتے تھے، وفات ۱۲۰۹ھ میں بعہد بہادر شاہ ظفر ہے۔

مشکاۃ المصابیح: احادیث کا عظیم مجموعہ، درسِ نظامی کی مشہور کتاب حدیث، اصل کتاب مصابیح تھی، محی السنہ فراء بغوی کی (۴۳۵ھ تا ۵۱۶ھ) اس کے دوسو سال بعد خطیب تبریزی نے مصابیح میں مزید احادیث کا اضافہ کر کے مشکاۃ المصابیح کے نام سے اسے ترتیب دیا، خطیب تبریزی مؤلف مشکاۃ کا سنِ وفات ۷۴۷ھ کے لگ بھگ ہے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ مصابیح میں احادیث کی تعداد ۴۴۸۴ تھی، صاحبِ مشکاۃ نے اس پر ۱۵۱۱/ احادیث کا اضافہ کیا، اس طرح مشکاۃ کی کل احادیث ۵۹۹۵ ہوئی۔

سنن ترمذی: صحاح ستہ میں شامل احادیث مبارکہ کا عظیم مجموعہ، فقہی طرز پر احادیث مرتب ہیں، سنن ایسی ہی کتبِ حدیث کو کہتے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے، ترمذ آپ کا وطن ہے، جو افغانستان کی شمالی حد دریائے آمو کے پار دریا کے متصل واقع ہے، ازبکستان میں شامل ہے، دریائے آمو کو پہلے دریائے جیحوں یا نہر بلخ کہتے تھے۔

عموماً اس تعلیمی مرحلے میں بڑی جامعات اور دارالعلوموں کا رُخ کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں کہ مولانا بشیر احمد صاحب میرے حالات جاننے کے بعد مجھے فرمانے لگے کہ آپ اگر اعلیٰ تعلیم کے لئے دیوبند جانا چاہیں تو ہم آپ کو وہاں داخلہ دلوادیں گے، ''اندھا کیا چاہے دو آنکھیں'' کے مصداق آپ مولانا موصوف کے ہمراہ سالانہ امتحان سے فارغ ہوکر تعطیلات کے زمانے میں شعبان میں ہی دارالعلوم دیوبند آ گئے۔ [1]

ضابطہً کی رُو سے مدرسہ میں قیام و طعام کا سلسلہ تعطیلات میں ممکن نہ تھا، مولانا بشیر احمد صاحب نے اپنے ہاں قیام وطعام کا انتظام فرمایا، رمضان کے بعد شوال میں جب نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا، اور داخلے شروع ہوئے تو شفقت ونوازش فرماتے ہوئے مولانا بشیر احمد صاحب نے آپ کو بڑے موقوف علیہ میں داخلہ دلوادیا (دیوبند میں اس وقت شائد موقوف علیہ کے دو درجے تھے) موقوف علیہ میں آپ نے تفسیر بیضاوی، فقہ میں ہدایہ آخرین، علم الکلام والعقائد میں خیالی (خیالی کا دیوبند کا امتحانی پرچہ والد کی کتابوں میں بوسیدہ صورت

---

[1] دارالعلوم دیوبند کا قیام صوبہ یوپی کے ضلع مظفرنگر (اب ضلع سہارنپور) کے قصبہ دیوبند کی قدیم چھتے والی مسجد میں محرم ۱۲۸۳ھ مئی 1866ء بروز جمعرات کو عمل میں آیا، 1857ء کے خونین انقلاب میں جب دہلی اجڑی اور برٹش ایمپائر کا قبضہ وتسلط بھرپور طریقہ سے ہوگیا، تو دہلی کی علمی مرکزیت بھی ختم ہوگئی، اور یہاں سے علم ودانش کا اسلامی کارواں بے دخل ہوکر رختِ سفر باندھنے پر مجبور ہوگیا، تو اس وقت کے صاحبِ دل علماء صلحاء اور بزرگوں کو جو خود اس خونین انقلاب کو دیکھ بھی چکے تھے، اور بھگت بھی چکے تھے کو یہ فکر ہوئی کہ اب ہندوستان میں دینِ اسلام اور علمِ دین کی بقاء وحفاظت کی کیا صورت کی جائے؟ اس فکر کے نتیجے میں تائیدِ غیبی سے دیوبند کی مسجد چھتہ میں درج ذیل اکابر ومشائخ دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، حاجی محمد عابد حسین، مولانا رفیع الدین، مولانا ذوالفقار علی (شیخ الہند کے والد ماجد) مولانا فضل الرحمان (مولانا شبیر احمد عثمانی کے والد ماجد) وغیرہم رحمہم اللہ کی مبارک کوششوں سے مدرسہ دیوبند کا قیام ہوا، جو تھوڑے ہی عرصے میں پورے عالمِ اسلام کی عظیم یونیورسٹی اور جامعہ بن گئی، جہاں عرب وعجم کے متلاشیانِ حق اور تشنہ گانِ علم سیراب ہونے کے لئے آنے لگے، اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو وہ مقبولیت اور محبوبیت عطا فرمائی کہ خصوصاً ہندوستان میں علومِ اسلامی اور تہذیب واقدار اسلامی کی بقاء وحفاظت کا اس کو ذریعہ بنایا، یہاں سے پچھلی ڈیڑھ صدی میں ہزاروں لاکھوں علماء، صوفیاء، محدثین، فقہاء، مصنفین، داعی ومبلغین، تحریکِ آزادی کے زعماء ومجاہدین پیدا ہوئے۔

اے سرزمینِ دیوبند اے اسلام کے دارالعلوم | اے کہ تھی علم وہنر کی تجھ سے اک عالم میں دھوم
زیب دیتا تجھ کو تھا لقب جہاں آباد کا | نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ وبغداد کا

میں کہیں رکھا ہوا میں نے دیکھا تھا)

عربی ادب میں حماسہ وسبعہ معلقہ وغیرہ کتب پڑھیں (ان میں بعض کتب کے کچھ حصے آپ پہلے پڑھ کر آئے تھے) عربی ادب کی مذکورہ کتب شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب سے پڑھیں (جن کی امتحانی سخت گیری کی وجہ سے انہیں ''عزرائیل'' کہا جاتا تھا بقول والد صاحب کے) [1]

موقوف علیہ میں آپ کے اساتذہ

خیالی آپ نے مولانا عبدالحق نافع گل صاحب سے پڑھی۔ [2]

---

[1] سبع معلقہ: ابوالقاسم حماد، متوفی ۱۵۵ھ نے جمع کی ہے، حماد کی ولادت کے سن میں اختلاف ہے، ۹۰ھ میں یا ۷۵ھ میں ہے، اس کی ولید بن عبدالملک اموی خلیفہ سے مصاحبت رہی ہے، سبعہ معلقہ کا مطلب سات لٹکائے ہوئے قصیدے ہیں، عربوں میں رواج تھا کہ جس شاعر کا قصیدہ سب کے کلام پر بازی لے جاتا، اور اس کے مقابل اور ٹکر کا کلام کسی کا نہ ہوتا، اس کو ایک امتیاز وخصوصیت کے لئے بلکہ چیلنج کے لئے خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا لیتے تھے، بڑے طویل عرصے سے تمام ادب عربی میں ایسے سات قصائد عربوں میں لاجواب قصیدے مختلف زمانوں میں بیت اللہ پر آویزاں ہوئے، ان سات قصائد کو سبعہ معلقہ کہتے ہیں، پہلا قصیدہ ملک الشعراء امرء القیس کا ہے، جو نبی علیہ السلام سے چالیس سال پہلے گزرا ہے، یہ قصیدہ اکیاسی اشعار پر مشتمل ہے، پہلا شعر بہت مشہور ہے، یعنی قفا نبک من ذکریٰ حبیب ومنزلی الخ ۵۶۰ھ، دوسرا قصیدہ طرفہ بن عبد بن سفیان بکری کا ہے، تیسرا زہیر بن ابی سلمیٰ وغیرہ وغیرہ۔

حماسہ: ابوتمام حبیب بن اوس طائی کی ہے، ولادت ۱۸۸ھ یا ۹۰ھ یا ۹۲ھ کی ہے، وفات ۲۳۱ھ یا ۲۳۲ھ کی ہے، حماسہ قدیم ادب عربی، زمانہ جاہلیت اور ابتدائی زمانہ اسلام کی عربی کلاسیکل شاعری کا انسائیکلو پیڈیا ہے، درسِ نظامی میں شاملِ نصاب رہی ہے۔

[2] خیالی: شرح عقائد نسفی کی شرح ہے، مصنف احمد بن موسیٰ ہیں، جو خیالی کے لقب سے مشہور ہوئے، بڑے محقق، مدقق، معقولات ومنقولات کے جامع تھے، سنِ وفات ۸۷۰ھ ہے، صرف ۳۳ سال کی عمر پائی، خیالی نے صدیوں تک علمی دنیا میں اپنا سکہ چلوایا اور ڈنکا بجوایا ہے، خیالی انتہائی مشکل اور دقیق کتاب تھی، شاہجہان کے عہد میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے جب اس کا حاشیہ لکھا، جو حاشیہ عبدالحکیم کہلاتا ہے، تو یہ کتاب پڑھنا سمجھنا بالکل آسان ہوگیا، اس لئے کہا گیا ہے۔

خیالات خیالی بسے عظیم است ۔۔۔ برائے حل او عبدالحکیم است

سید عدنان کاکاخیل (جامعۃ الرشید کراچی کے استاد، اور ہفتہ وار ضرب مومن کے رائٹر ہونے کے علاوہ ایک اور دینی مجلّہ کے ایڈیٹر اور لائق فائق فاضل نوجوان ہیں) یہ مولانا عبدالحق نافع کے پوتے ہیں، چند سال پہلے اپنے زمانہ طالب علمی میں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہدایہ اخیرین مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک، جامعہ حقانیہ والے، مولانا سمیع الحق صاحب کے والد بزرگوار) سے پڑھی۔ ۱

بیضاوی مولانا عبدالخالق صاحب (دارالعلوم کبیر والا کے بانی) سے پڑھی۔ ۲

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

انہوں نے کنونشن سنٹر، اسلام آباد میں آمر وقت پرویز مشرف کے سامنے بے باکانہ تقریر کی، جس پر ان کی بڑی شہرت ہوئی تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں اس وقت عبدالحق نام کے یہ دو لائق فائق مدرس تھے، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک والے، اور مولانا عبدالحق نافع، دونوں پٹھان تھے، دونوں دیوبند کی عہد ساز شخصیات ہیں۔

۱ ہدایہ: فقہ حنفی کا عظیم شاہکار ہے، چار حصوں میں ہے، چاروں حصے صدہا سال سے درسِ نظامی میں شاملِ درس ہیں، یہ کتاب امام برہان الدین مرغینانی کا لافانی کارنامہ ہے (ولادت ۵۱۱ھ وفات ۵۹۳ھ یا ۵۹۶ھ کی ہے) ہدایہ کے علاوہ آپ کی فقہ وفتاویٰ میں
درجِ ذیل کتب مزید ہیں، کفایہ، منتقیٰ، تجنیس، مزید، مناسکِ حج، مختار النوازل، مختار الفتویٰ۔

مولانا عبدالحق صاحب: آپ جنوری 1910ء میں اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور میں پیدا ہوئے، ۱۳۷۲ھ (1933ء) میں دارالعلوم دیوبند سے حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنی، مولانا رسول خان (مانسہروی) وغیرہم اکابر سے دورہ حدیث پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ہی استاد مقرر ہوئے، ۱۳۶۶ھ چھٹیوں میں وطن آئے، اسی دوران پاکستان معرضِ وجود میں آیا، تب ہی اکوڑہ خٹک میں توکلاً علی اللہ جامعہ حقانیہ کی بنیاد رکھی، جو پاکستان خصوصاً سرحدی علاقوں اور افغانستان ووسطی ایشیاء کے لئے دارالعلوم دیوبند کے قائم مقام ہے، پھر حقانیہ کا فیض ساری دنیا میں پھیلا، خصوصاً صوبہ سرحد، بلوچستان، افغانستان، اور وسطی ایشیاء یہاں سے علومِ دینیہ میں پورے پورے فیض یاب ہوئے، یہ حقانیہ کے افغان فضلاء ہی تھے، جنہوں نے پہلے روس کے چھکے چھڑائے، اب نیٹو اتحاد کے گرگوں اور عالمی چوہدری کو خاک چاٹنے پر اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا، آپ جید عالم، محدث، محقق، صوفی صافی اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، آپ کی وفات محرم ۱۳۰۹ھ بمطابق 1988ء کو ہوئی۔

آپ کی فنائیت، علمیت، اخلاص، توکل علی اللہ اور شفقت ومحبت کا تذکرہ اباجی مرحوم بہت فرماتے رہتے تھے، مولانا سمیع الحق اور مولانا انوار الحق، مہتمم ونائب مہتمم: جامعہ حقانیہ آپ کے لائق فائق فرزندانِ گرامی ہیں۔

۲ تفسیر بیضاوی قرآن مجید کی معرکۃ الآراء درسی تفسیر ہے، قرآنی علوم کا شاہکار ہے، مسلمانوں کے عہدِ عروج کے آخر تک درس وتدریس کی مجلسوں میں اس کی خوب گرم بازاری رہی، یہاں تک کہ بعض اولوالعزم اس تفسیر کو زبانی یاد بھی کرتے تھے، مصنف عمر بن محمد المعروف امام بیضاوی ہیں، بیضاء ایران کی ایک بستی کا نام ہے، تفسیر بیضاوی، لغت، بلاغت، ادب عربی، صرف، نحو، منطق وفلسفہ، وجوہِ قرائت، روایت ودرایت کا بیش بہا خزانہ ہے، مصنف کی وفات ۶۸۵ھ میں تبریز میں ہوئی (وفات کے سن میں اور بھی اقوال ہیں)

دورہ حدیث میں آپ کے شیوخ

دار العلوم دیوبند میں آپ کا زمانہ قیام 1945ء تا 1947ء ہے، 1947ء آپ کا دورہ حدیث کا سال ہے، دورہ حدیث میں آپ کے مشائخ درجِ ذیل ہیں:

بخاری اور ترمذی شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے پڑھیں۔[1]

مسلم شریف، ابنِ ماجہ اور نسائی مولانا بشیر احمد نائب ناظم تعلیمات سے پڑھیں۔

ابوداؤد، مولانا ادریس کاندھلوی سے پڑھی۔[2]

---

[1] مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ: ولادت شوال ۱۲۹۶ھ، وفات جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے دیوبند میں خصوصی تلمیذ اور بعد میں آپ کے مشنِ جہاد و حریت میں آپ کے جانشین، ولی اللٰہی تحریک احیائے دین کے سربکف سپاہی، ۱۳۱۶ھ میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، اس کے بعد والدین کے ہمراہ مدینہ منورہ میں جا کر اقامت اختیار کی، آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب بغرضِ ہجرت مدینہ منورہ نقل مکانی کر گئے تھے، مدینہ میں آپ طویل عرصے تک مسجدِ نبوی میں دینی علوم کی تعلیم دیتے رہے، اور حدیث کا درس دیتے رہے، درمیان میں ہندوستان آنا ہوا، یہاں دار العلوم دیوبند میں مسندِ درس پر فائز ہوئے، پھر کچھ عرصہ بعد مدینہ جانا ہوا، حضرت رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، پھر مکہ جا کر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی وصیت وتلقین کے مطابق حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ سے بھی وابستہ ہوئے، ۱۳۱۸ھ میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی طرف سے ہندوستان طلبی ہوئی، آپ حسبِ ارشاد واپس آ گئے، حضرت گنگوہی نے خلاف ونیابت کی دستار اپنے ہاتھ سے آپ کے سر پر باندھی، اپنے استاد حضرت شیخ الہند کے ساتھ اس طرح وابستہ و پیوستہ ہوئے کہ ہمیشہ سفر وحضر میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ رہے، اور پوری خدمت وراحت پہنچاتے، حتی کہ شیخ الہند کے ساتھ تحریک ریشمی رومال کے مشن میں (جو وطن کی آزادی اور مسلمانوں کی انگریزی غلامی سے خلاصی کی سرفروشانہ تحریک تھی) حجاز میں گرفتار ہوئے، اور قریب پانچ سال مالٹا کی قید وبند میں گزارے، حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد قافلہ حریت وتحریک استخلاص وطن کے میر کارواں بنے، آزادی کی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جمعیت علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے آزادی کی جنگ لڑی، بار بار قید وبند اور گیر ودار کے مرحلوں سے گزرے، تقسیمِ ملک کے بعد ہندوستان میں رہ کر وہاں کے مسلمانوں کی قیادت کی، اور اس نازک دور میں جب ہندی مسلمان اپنے ہی وطن میں اجنبی بنا دیئے گئے، آپ نے مسلمانانِ ہند کی مسیحائی کی اور ان کو جینے کے قرینے سکھائے، 1958ء میں فوت ہوئے۔

[2] مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ 1900ء بمطابق ۱۳۱۷ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی بڑے بزرگ تھے، قصبہ کاندھلہ، ضلع مظفر نگر جیسا مردم خیز علاقہ آپ کا وطن ہے، آپ کی تعلیم وتربیت تقریباً ابتداء سے ہی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے ہاں مدرسہ خانقاہ امدادیہ میں ہوئی، ابتدائی کتب حضرت حکیم الامت نے خود

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترمذی ثانی شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی رحمہ اللہ سے پڑھی۔ [1]

دورہ حدیث میں آپ کے ہم سبق مشاہیر

مشاہیر میں جو حضرات آپ کے دورہ حدیث میں ہم سبق تھے، یہ ہیں۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (بانی وشیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ، کراچی اور صدر وفاق المدارس العربیہ، پاکستان) [2]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

آپ کو پڑھائیں، پھر مدرسہ مظاہر العلوم میں آپ کو داخل کیا، جہاں حضرت خلیل احمد سہارنپوری جیسے اساطینِ علم و دین اور وقت کے دیگر اہلِ علم سے آپ نے کسبِ فیض کیا، 1921ء سے آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا، دارالعلوم دیوبند میں اپنے اساتذہ کی موجودگی وسرپرستی میں مسند درس وتدریس پر فائز رہے، قیامِ پاکستان کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے، پہلے جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ کی حیثیت سے قیام کیا، پھر مفتی محمد حسن صاحب کی دعوت پر جامعہ عباسیہ سے لاہور جامعہ اشرفیہ تشریف لائے، آخر تک جامعہ اشرفیہ میں شیخ الحدیث رہے، تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا، معرکۃ الآراء محققانہ کتب آپ کے قلم سے صادر ہوئیں، محاسنِ اسلام، علم الکلام، دستورِ اسلام، عقائد الاسلام، سیرت المصطفیٰ، مشکاۃ المصابیح کی عربی شرح التعلیق الصبیح، قرآن مجید کی تفسیر معارف القرآن آپ کے علمی جواہر پارے ہیں، 1974ء بمطابق ۱۳۹۴ھ میں فوت ہوئے، آپ کے لائق فائق صاحبزادے مولانا محمد مالک کاندھلوی تھے، جو درس وتدریس میں علم وفضل میں تصنیف وتالیف میں آپ کے نقشِ قدم پر تھے۔

[1] مولانا اعزاز علی امروہی رحمہ اللہ یکم محرم ۱۳۰۱ھ بمطابق 2 نومبر 1882ء میں امروہہ، ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے، دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی تعلیم کے بعد داخل ہوئے، حضرت شیخ الہند اور مولانا رسول خان ہزاروی (اچھڑیاں) رحمہ اللہ وغیرہ اکابر اہلِ علم سے کسبِ فیض کیا، ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی، ۱۳۷۴ھ تک دارالعلوم دیوبند میں علمی خدمات سرانجام دیتے رہے، حضرت رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے بیعت اور حضرت مدنی سے مجازِ بیعت تھے، فقہ اور ادب عربی کی کتابوں پر آپ نے حواشی لکھے ہیں، درسی کتابیں آپ کے ان حواشی کے ساتھ چھپتی ہیں، آپ کے شاگردوں میں مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، مفتی اعظم پاکستان، قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری رحمہ اللہ وغیرہم، ۱۳۷۴ھ بمطابق 1955ء میں فوت ہوئے، قبرستانِ قاسمی میں مدفون ہیں۔

[2] بانی ومہتمم جامعہ فاروقیہ شارع فیصل کراچی، رئیس وسربراہ وفاق العربیہ پاکستان۔

ولادت 25 دسمبر 1926ء، وطن صوبہ یوپی کے ضلع مظفر نگر کا قصبہ حسن پور لوہاری، آباؤ اجداد کسی وقت میں فاٹا پاکستان کی خیبر ایجنسی (میں علاقہ تیراہ کے مضافات میں چورا) سے نقل مکانی کر کے گئے تھے، قوم (ذات) ملک دین خیل ہے (حسن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت مولانا ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ (مفتی اعظم پاکستان) شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ ۱

حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمہ اللہ (استاد الحدیث، جامعہ دارالعلوم کراچی، وفات 1997ء)

حضرت مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ، امیر تنظیم اہل سنت، وفات ۷/صفر/۱۴۳۴ھ،

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

پورلوہاری مشہور قصبہ ہے، ہم اسے علماء دیوبند کے مرشد العام سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرشد میاں جی نور محمد جھنجانوی کے حوالے سے بھی جانتے ہیں کہ آپ نے اسی قصبے میں مدت العمر گزاری) ابتدائی تعلیم شیخ سلیم اللہ خان صاحب نے جلال آباد، مظفر نگر میں مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی کے مدرسہ مفتاح العلوم میں حاصل کی، 1942ء میں دارالعلوم دیوبند گئے، 1947ء میں سندِ فراغ حاصل کی، فراغت کے بعد جلال آباد مدرسہ مفتاح العلوم میں ہی تدریسی خدمات کا آغاز کیا، 8 سال وہاں رہے، اپنے حسنِ انتظام اور مثالی تعلیم وتدریس سے مدرسہ کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا، پھر ہجرت کر کے پاکستان آگئے، دارالعلوم ٹنڈوالہ یار سندھ میں تدریسی خدمات شروع کیں، 3 سال بعد دارالعلوم کراچی مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی دعوت پر تشریف لائے، 10 سال یہاں تدریس سے وابستگی رہی، ساتھ ساتھ حضرت یوسف بنوری رحمہ اللہ کی دعوت پر فارغ وقت میں بنوری ٹاؤن میں بھی تدریس کی۔

1967ء بمطابق 1387ھ میں جامعہ فاروقیہ قائم فرمایا، جس کا فیض اب تک جاری ہے، آپ پاکستان کے مایہ ناز شیخ الحدیث ہیں، نصف صدی سے زیادہ عرصے سے بخاری شریف آپ کے زیرِ درس ہے، بخاری کی شرح کشف الباری 20 سے زیادہ جلدوں میں آپ کے دروس کا عمدہ شاہکار ہے، وفاق کی صدارت کا تیسرا عشرہ ہے، اللہ تعالیٰ صحت کے ساتھ سایہ سلامت رکھے (افسوس آپ جنوری 2017ء میں انتقال فرماگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون)

۱ مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کے جدِ امجد مولانا مفتی محمود صاحب ٹونکی ریاست ٹونک کے مایہ ناز علماء میں سے تھے، انہوں نے تنِ تنہا معجم المؤلفین کے نام سے عربی مصنفین کا ایک وسیع دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) مرتب کیا تھا، قیامِ پاکستان کے بعد آپ ہجرت کر کے پاکستان آئے اور مفتی محمد شفیع صاحب کے قائم کردہ دارالعلوم نانک واڑہ سے وابستہ ہوئے، بعد میں حضرت یوسف بنوری رحمہ اللہ نے مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن قائم کیا، تو کچھ عرصہ بعد آپ وہاں تشریف لے گئے، اور آخر تک یہیں رہے، مفتی اعظم پاکستان کے جلیلُ القدر منصب پر فائز رہے، نیز وفاق المدارس العربیہ کے بھی رئیس رہے، صاحبِ درس وتدریس اور ایک کامیاب شیخُ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ قلم بھی تھے، آپ کی ایک معروف تصنیف تذکرۂ اولیاء ہے، شیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی محققانہ عربی کتاب ''اکفار الملحدین'' کو آپ نے ایڈٹ کیا، رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ (بمطابق ۱۹۹۵ء) میں فوت ہوئے۔

دسمبر/ 2012ء۔ [1]

واضح رہے کہ حضرت ڈاکٹر حافظ تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ جو ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ/ نومبر 2012ء میں وفات پاگئے ہیں، مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے زمانہ طالب علمی کے رفیق تھے، وہ غالباً ایک سال آپ سے سابق تھے، گویا کہ آپ کے موقوف علیہ کے سال ان کے دورہ کا سال تھا، ان کے سوانح حضرت مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم، نے جمع فرما کر ادارہ غفران سے چند سال پہلے شائع کئے۔

دارالسلام پٹھانکوٹ میں

غالباً 1942ء میں بانی جماعت اسلامی جناب مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم پٹھانکوٹ (گورداسپور) میں چوہدری نیاز علی خان مرحوم [2]

---

[1] مولانا عبدالستار تونسوی: ولادت رمضان ۱۳۴۴ھ بمطابق مارچ 1926ء، وفات صفر ۱۴۳۴ھ بمطابق دسمبر 2012ء، آبائی وطن تونسہ شریف، ضلع ڈیرہ غازی خان، 1945ء کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند پہنچے، 1946ء میں آپ کا دورہ حدیث کا سال ہے، یہی سال اباجی مرحوم کا بھی دورہ حدیث کا ہے، ۱۳۶۶ھ (1947ء) میں دارالمبلغین لکھنؤ سے (مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ سے) ردِ رافضیت کا کورس کیا، آئندہ زندگی درس وتدریس، تصنیف وتالیف کے ساتھ تردیدِ رفض اور اہلِ رفض کے ساتھ مناظرے کرنے اور ان کا علمی تعاقب کرنے میں گزری، اور بہت سے رجال اس میدان میں آپ نے تیار کئے، اہلِ سنت کے مذہب کا دفاع، رفض کے اعتراضات کا دفعیہ آپ کے کام کا اہم میدان رہا ہے۔

[2] بانی جماعت اسلامی جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تحریکی اور جماعتی زندگی کی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ مولانا نے "ترجمان القرآن" رسالے کے صحافتی فورم سے دین کی دعوت واشاعت، اصلاح وتجدید کا کام جس سج دھج، عزم وحوصلے سے 1933ء میں شروع کیا، مولانا کے موثر اسلوب اور دلکش طرزِ تحریر نے خلق کثیر کے دلوں کو موہ لیا، بڑی بڑی علمی ہستیاں آپ کی حلقہ بگوش ہوئیں، مفکر اسلام علی میاں ندوی صاحب علیہ الرحمۃ، مولانا منظور نعمانی علیہ الرحمۃ جیسے لوگ آپ کے ہم رکاب ہوئے (اور پھر جلد ہی الگ بھی ہوئے)

1936ء کے الیکشن کے بعد مولانا نے اس وقت کے ہندو مسلم حالات کے تناظر اور ہندوؤں کی عصبیت وتنگ نظری کے پس منظر میں سیاسی مضامین لکھنے شروع کئے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر جو لکھا، خوب لکھا، قوم کے امنگوں اور ملی تقاضوں کی ترجمانی کی، اس سلسلہ مضامین میں ایک مرحلہ پر آپ نے مسلمانوں کے سامنے احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کو نصب العین بنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے دین کی اشاعت و تبلیغ کے لئے قائم کردہ وقف ''دارالاسلام'' میں چوہدری صاحب کی دعوت پر (حیدر آباد دکن سے) منتقل ہو کر آ گئے، یہ وقف بستی ''دارالاسلام'' چوہدری نیاز مرحوم نے اپنی وسیع و عریض زمین کا کافی رقبہ فی سبیل اللہ وقف کر کے بنائی اور بسائی تھی، یہاں مسجد، کچھ کوارٹر، کچھ رہائشی مکانات، چوہدری صاحب نے بنوا رکھے تھے، مقصد یہ تھا کہ یہاں سے دین کی تبلیغ و اشاعت کا، امت کی تعلیم و اصلاح کا فیض جاری ہو۔

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

کر خالص دینی بنیاد پر ایک جماعت کی تنظیم سازی اور اس کے تحت پھر اصلاحی و دعوتی کام کا منصوبہ پیش کیا، اس طرح کے تحریکی کام اور جماعت سازی کے لئے حیدر آباد دکن کی ریاستی صورتحال بالکل مناسب و سازگار نہ تھی، اس لئے مودودی صاحب نے اس کام کے لئے پنجاب کو موزوں سمجھا، اور چوہدری نیاز علی کے قائم کردہ ''دارالسلام'' کو ایک بنا بنایا مستقر و مرکز خیال کر کے یہاں منتقل ہو گئے، چوہدری نیاز علی مرحوم پٹھانکوٹ گورداسپور کی ایک چھوٹی سی بستی ''جمالپور'' کے رہنے والے تھے، یہیں ان کی زمینیں اور وسیع جائیدا تھی، چوہدری نیاز علی صاحب اور ان کے بھائی چوہدری عبدالرحمان مرحوم دونوں بہت نیک، درددل رکھنے والے، دین اسلام کی خدمت کا جذبہ رکھنے والے انسان تھے، چوہدری نیاز صاحب ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) کے عقیدت مند و نیاز مند تھے۔

اپنی زمینوں سے وسیع رقبہ وقف کر کے ''دارالسلام'' کے نام سے دینی مرکز دین کی خدمت، اشاعت و تبلیغ کے لئے آپ نے قائم کیا، ''ترجمان القرآن'' کے مطالعہ سے چوہدری صاحب مودودی صاحب سے بہت زیادہ متاثر تھے، اور کوشش کر کے آپ کو حیدر آباد دکن سے دارالاسلام میں لے آئے، اور یہ وقف ان کی تولیت میں دے دیا، چوہدری نیاز صاحب ایک بڑے راجپوت، زمیندار ہونے کے علاوہ بڑے ریٹائر سرکاری افسر بھی تھے، مودودی صاحب نے دارالسلام میں منتقل ہونے کے بعد احیاء دین کے لئے تحریکی و تنظیمی جدوجہد کا جو منصوبہ ان کے ذہن میں تھا، اس پر کام شروع کیا، چنانچہ تحریکی و تنظیمی ڈھانچے کی شیرازہ بندی و صورت گری کا ابتدائی، تاسیسی اجلاس، یہیں دارالاسلام میں ہوا، جس کو جماعت اسلامی کا نقطہ آغاز سمجھنا چاہیے۔

جس میں مولانا منظور نعمانی، مدیر الفرقان لکھنوء، چوہدری نیاز علی صاحب اور اس طرح کے تقریباً دس حضرات اس ابتدائی اجلاس منعقدہ دارالاسلام میں شریک تھے، اور اس وقت تنظیمی ڈھانچہ ادارہ ''دارالسلام'' کے نام سے قائم ہوا، جس کے امیر مودودی صاحب تھے، یہ لوگ مودودی صاحب کے مضامین پڑھ کر جو کچھ ان کی ہستی کے بارے میں تخیل قائم کر کے ان کی دعوت پر یہاں دارالاسلام میں آئے تھے، مودودی صاحب کی وضع قطع دیکھ کر ان کو سخت دھچکا لگا، خود چوہدری نیاز علی مرحوم مودودی صاحب کی خلافِ شرع وضع قطع دیکھ کر بہت فکر مند ہو گئے تھے، اس سلسلہ میں مولانا منظور نعمانی صاحب سے چوہدری صاحب کی گفت وشنید بھی ہوتی رہی، اور خود مودودی صاحب سے بھی اس سلسلہ میں بات چیت ہوئی، اور مودودی صاحب نے بتدریج اپنی وضع قطع کو شرعی دائرے میں لانے کا بھی عزم ظاہر کیا، لیکن مودودی صاحب میں تبدیلی کا یہ عمل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سلسلہ میں ابتداء میں چوہدری صاحب کا علامہ اقبال مرحوم سے بھی مشاورت اور رابطہ رہا تھا۔ ۱؎

اور یہ حضرات کسی موزوں شخص کی تلاش میں تھے، جو دینی علوم کا شناور اور وقت کا نباض ہو، اور

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

شاید چیونٹی کی رفتار سے آ رہا ہوگا کہ اتنی بڑی بڑی نامور اور قد آور علمی و نابغہ شخصیات جو ان کی ابتدائی آواز پر ان کے ساتھ جمع ہوگئی تھیں، بہت جلد الگ بھی ہوگئیں، اس واقعہ کی تفصیلی روئیداد کے لئے ملاحظہ فرمائیں مولانا منظور نعمانی کا رسالہ ''مولانا مودودی صاحب کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف''۔

نتیجتاً کچھ ہی عرصہ بعد مولانا مودودی صاحب مرحوم کو دار السلام پٹھانکوٹ سے لاہور منتقل ہونا پڑا، قیام پاکستان کے بعد چوہدری نیاز علی صاحب پاکستان ہجرت کر کے آ گئے، یہاں پنجاب میں جوہر آباد (خوشاب) میں آپ کو تبادلے میں زمینیں الاٹ ہوئیں، تو یہاں بھی آپ نے دار السلام کے طرز پر ایک بستی بسائی، مولانا منظور نعمانی صاحب اور مفکر اسلام مولانا ابو الحسن علی ندوی کو انڈیا سے بلانے اور دار السلام جوہر آباد منتقل ہو کر یہاں دین کا کام کرنے پر بہت زور دیا، لیکن ان حضرات نے عذر کر دیا کہ ہم ہندوستان کے مسلمانوں کو ہی سنبھالیں گے، ان کو بے یار و مددگار چھوڑ کر کہیں جانے سے قاصر ہیں۔

۱؎ علامہ محمد اقبال: شاعر مشرق، حکیم الامت، مفکر پاکستان، علامہ محمد اقبال ۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ بمطابق 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، گورنمنٹ کالج لاہور سے 1897ء میں بی اے کیا، 1899ء میں فلسفہ میں ماسٹر کیا، سر آرنلڈ جیسے فاضل مستشرق سے یہیں کالج میں آپ نے استفادہ کیا، 1901ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ہی فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر رہے، 1905ء میں کیمبرج کالج انگلستان میں اعلیٰ تعلیم کے لئے گئے، پروفیسر براؤن نکلسن اسی دور کے آپ کے استاد ہیں، پھر جرمنی چلے گئے، میونخ یونیورسٹی جرمنی سے ''ایران میں مابعد الطبیعات'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھا، 1908ء میں لنکز ان سے وکالت اور بیرسٹری بھی پاس کر لی، لندن یونیورسٹی میں ہی اس زمانے میں ڈاکٹر آرنلڈ کی نیابت میں عارضی طور پر کچھ ماہ عربی پروفیسر بھی رہے، 1908ء میں وطن واپس آ کر لاہور میں وکالت کی پریکٹس شروع کر دی، 1934ء تک یہ سلسلہ جاری رہا، 1922ء میں حکومت برطانیہ نے ادبی خدمات کے اعتراف میں ''سر'' کا خطاب دیا، 1926ء میں پنجاب صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، 1928ء میں مدراس یونیورسٹی کی دعوت پر وہاں جا کر ''الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید'' کے عنوان سے تاریخی لیکچر دیے، دسمبر 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے الٰہ آباد کے اجلاس میں اپنے خطبہ صدارت میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کے حصول کا اپنا دیرینہ نظریہ زیادہ وضاحت اور صراحت سے پیش کیا، آپ نے یہاں تک صراحت کر دی کہ پنجاب، سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحد کو ملا کر ایک مسلم ریاست بنائی جائے، 1930ء میں آپ نے گول میز کانفرس لندن میں شرکت کی، واپسی پر اسپین، ترکی اور فلسطین کی سیر کی، مسجد قرطبہ، فلسطین اور استنبول پر آپ کا لافانی کلام اسی دور کا ہے، 1933ء میں سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود کے ساتھ افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ کی دعوت پر افغانستان گئے، 21 اپریل 1938ء کو آپ کی وفات ہوئی، اور شاہی مسجد لاہور کے صدر دروازے کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ؏

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

زمانہ کے چیلنجوں کو سمجھتا ہو۔

مودودی صاحب [1] اس زمانے میں مجلّہ ''ترجمان القرآن''(مودودی صاحب کی ادارت میں آغاز محرم ۱۳۵۲ھ بمطابق مارچ 1933ء کے ذریعے)اپنے مؤثر اور فاضلانہ و داعیانہ دینی مضامین، اپنے سحر انگیز قلم اور جادو اثر سلوب نگارش کی وجہ سے ملک بھر میں مقبول ہو رہے تھے، مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے اور دین کا درد رکھنے والے حلقے مودودی صاحب کے قلم اور زبان و بیان سے قائل، مائل اور گھائل ہو رہے تھے۔

چوہدری صاحب کی بھی نگاہِ انتخاب آپ کی ذات پر آ کر مرکوز ہوئی، اور وہ مودودی صاحب کو

---

[1] ابوالاعلیٰ مودودی: مفسر قرآن، بانی جماعت اسلامی، پیدائش 25 ستمبر 1903ء، اورنگ آباد (دکن میں)، میٹرک تک باضابطہ عصری تعلیم حاصل کی، صحافتی زندگی کا آغاز 19 سال کی عمر میں ''مدینہ'' اخبار سے کیا، 1921ء تا 1923ء جمعیت علمائے ہند کے آرگن ''مسلم'' کے مدیر رہے، ملازمت اور سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ، تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، کا گہرا مطالعہ کرتے رہے، جمعیت علمائے ہند کے ''الجمعیۃ'' کے بھی مدیر رہے، 1928ء میں اس سے الگ ہو گئے، 33ء میں اپنا مجلّہ ''ترجمان القرآن'' جاری کیا، 1942ء میں حیدر آباد دکن سے بمع اپنے رسالہ ''ترجمان القرآن'' کے چوہدری نیاز کی دعوت پر ان کے دینی مرکز ''دارالاسلام'' پٹھانکوٹ منتقل ہو کر اس مرکز کے ذمہ دار بنے، یہیں اپنے خاص احباب کو جمع کر کے ایک جماعت یا تنظیم کی بنیاد ڈالی، کچھ عرصہ بعد چوہدری نیاز اور آپ کے بعض خاص معتمدین اہل علم کو آپ کے طریقہ کار اور سوچ وفکر سے اختلاف پیدا ہوا۔

نتیجتاً پٹھانکوٹ سے لاہور منتقل ہوئے، یہاں جماعت اسلامی کی صورت میں ایک منظّم جماعت کا باقاعدہ آغاز کیا، قیام پاکستان کے بعد جماعتی جدوجہد میں مزید تیزی آئی، 1953ء میں تحریک ختم نبوت کے دوران گرفتار ہوئے، فوجی عدالت نے ''قادیانی مسئلہ'' نامی کتابچہ لکھنے کی پاداش میں سزائے موت سنائی، جس پر اسلامی دنیا کے علمی حلقوں نے ناپسندیدگی اور احتجاج ریکارڈ کرایا، نتیجتاً سزائے موت عمر قید میں بدلی، آخر تین سال بعد رہا ہوئے، 1958ء میں خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف ''ضبط ولادت'' کتابچہ لکھا، جس کو حکومت نے ضبط کر لیا، 1962ء میں مکہ مکرمہ کی عالمی کانفرس میں شریک ہوئے، جنوری 1964ء میں مولانا پھر گرفتار ہوئے، ستمبر 1964ء میں سپریم کورٹ کے حکم پر رہا ہوئے، ایوبی آمریت میں ایوب کے خلاف صدارتی الیکشن میں فاطمہ جناح کی حمایت کی، جس کو دینی حلقوں نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، 1970ء کے عشرے میں بھٹو مرحوم کی اسلامی سوشلزم کے خلاف مزاحمت کی راہ اختیار کی۔

یکم نومبر 1972ء کو خرابی صحت وضعف کی بناء پر جماعت اسلامی کی امارت سے استعفیٰ دیا، 27 فروری 1979ء کو مولانا کو ''شاہ فیصل ایوارڈ'' سے نوازا گیا، 25 ستمبر 1979ء کو آپ کی وفات ہوئی

قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا (سورۃ الاسراء، رقم الآیۃ ۸۴)

حیدر آباد دکن سے پٹھانکوٹ کے دینی مرکز دارالاسلام میں منتقل کرانے میں کامیاب ہو گئے۔

جماعتِ اسلامی کے ابتدائی خدوخال اور صورت گری بھی یہیں دارالاسلام میں ہوئی۔

ابا جی فرماتے تھے کہ اس سال جب میں چھٹیوں میں مدرسہ سے گھر آیا تو چوہدری نیاز صاحب چونکہ ہماری برادری کے تھے، انہوں نے مجھے فرمایا کہ ہم نے یہاں دارالاسلام میں دینی تعلیمات کا سلسلہ شروع کیا ہے، اور مودودی صاحب کا ذکر خیر فرمایا کہ انہوں نے جدید تعلیم یافتہ نوجوان، لوگوں کے لئے قرآن مجید کے درس اور تفسیر کا سلسلہ رکھا ہے، تم بھی چھٹیوں میں وہاں رہو، استفادہ کرو، میں نے چوہدری صاحب سے عرض کیا کہ وہاں کینٹین کا خرچ کافی زیادہ ہے، میں کہاں سے یہ خرچہ اٹھاؤں گا؟ تو چوہدری صاحب نے کہا کہ اپنے اخراجات کی فکر نہ کرو، وہ سب ہمارے ذمہ ہیں۔ اس طرح چوہدی صاحب کی وساطت سے میں مودودی صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہو گیا۔

چھ پارے تک قرآن مجید کی تفسیر میں نے مودودی صاحب سے پڑھی اور سنی، لیکن مودودی صاحب سے مجھے مانوسیت نہ ہو سکی، اور میں چھوڑ کر آ گیا، وجہ یہ تھی کہ مودودی صاحب باضابطہ عالم نہ تھے، قرآن کے کلمات والفاظ کی تحقیق اور معنیٰ ومراد کی تعیین میں لغزش کھاتے اور خود رائی پہ اصرار کرتے، گرائمر کی کسی غلطی پر آپ سے مئودبانہ گزارش کی گئی، تو آپ نے جھڑک دیا، اور فرمایا کہ یہ مولویوں کے ڈھکوسلے ہیں، اس قسم کی وجوہات کے پیشِ نظر ابا جی کو ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے مناسبت وعقیدت قائم نہ ہو سکی۔ [1]

---

[1] بندہ کی یادداشت کے مطابق ابا جی نے اس سلسلہ میں ایک مثال سورہ احزاب کی آیت ''النبی اولی بالمومنین من انفسھم'' میں اَولیٰ کے لفظ کو اُولیٰ کے ہم معنی سمجھ کر اَولیٰ اور اُولیٰ میں گرائمر کے لحاظ سے جو فرق ہے، جناب مودودی صاحب مرحوم نے اس کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے اَولیٰ بالمومنین کا معنی اُولیٰ بالمومنین کے تحت کیا، پہلا مومن۔

واضح ہو کہ اَولیٰ گرائمر کی رو سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جبکہ اُولیٰ فُعلیٰ کے وزن پر اسم ہے، اسم عدد (جیسے اُولیٰ، ثانیہ، ثالثہ، رابعہ) اور فُعلیٰ کا وزن تین طرح آتا ہے۔

فُعلیٰ اسمی (خواہ اسم جامد ہو یا مصدر) جیسے بُشریٰ (۲) فُعلیٰ صفتی (یعنی صفت مشبہ) جیسے حُبلیٰ (۳) فُعلیٰ اسم تفضیل مونث جیسے رُمیٰ کہ یہ اَرمیٰ کا مونث ہے۔

تقسیم ملک سے پہلے کے کچھ قابلِ ذکر واقعات

1942ء لکھنؤ، حضرت حکیم الامت کی خدمت میں حاضری

مدرسہ قادریہ میں حضرت مولانا ولی احمد صاحب رحمہ اللہ (برہان والوں) کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں رمضان کی چھٹیوں میں مولانا ولی احمد رحمہ اللہ لکھنو میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں رمضان گزارنے تشریف لے گئے تھے، کیونکہ اس سال حضرت حکیم الامت بغرض علاج لکھنو میں قیام فرما تھے۔

حضرت کے خاص احباب، خلفاء وعلماء جو رمضان میں حضرت کی خدمت میں تھانہ بھون آتے، اور رمضان گزارتے، اس سال حضرت کی اجازت سے ان میں سے آنے والے لکھنوء آ گئے تھے، حضرت مولانا ولی احمد صاحب جو حضرت حکیم الامت کے خلیفہ مجاز تھے، ان کا معمول تھا کہ ایک سال رمضان حضرت کی خدمت میں تھانہ بھون میں گزارتے، اور ایک رمضان اپنے علاقہ برہان (نزد حسن ابدال) میں گزارتے، 1942ء میں آپ حضرت کی خدمت میں رمضان گزارنے لکھنوء تشریف لے گئے، ابا جی بھی حضرت حکیم الامت کی زیارت وملاقات، مصاحبت اور مجالست کے اشتیاق میں لکھنوء آ گئے، حضرت حکیم الامت کے ہاں بڑا نظم وانتظام تھا، ہر چیز ضابطہ اور اصول سے ہوتی، لکھنوء میں حضرت کی مجلس میں وہی لوگ حاضر ہو سکتے تھے، جنہوں نے پہلے سے بذریعہ خط اجازت لے رکھی ہو، اور حضرت کے متعلقین ومنتسبین میں سے ہوں، دروازے پر دربانی کے فرائض حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی (بعد میں صدر مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور) سرانجام دے رہے تھے۔ [1]

---

[1] مفتی جمیل احمد تھانوی: حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز اور آپ کی اہلیہ کی لے پالک بچی کے شوہر،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کافی جدو جہد کے بعد حضرت مولانا ولی احمد علیہ الرحمۃ کی تائید وتوثیق سے اندر جانے اور حضرت حکیم الامت کی مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت ملی، ابا جی نے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی مجلس کا بھی کچھ نقشہ کھینچا تھا۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب علیہ الرحمۃ کا ذکر کیا تھا کہ وہ حضرت حکیم الامت کی چارپائی پر پائنتی کی جانب بیٹھے تھے، اور ایک وارفتگی کی سی کیفیت ان پر طاری تھی، ملفوظات، لطائف، علمی نکات وغیرہ بیان ہورہے تھے۔ [1]

دربان آیا اور کہا کہ ایک صاحب بڑے میاں لٹھیا ٹیکتے ہوئے آرہے ہیں۔

اس پر حضرت نے فرمایا کہ یہ لٹھیا یا لاٹھی کا لفظ اصل میں ''لے اٹھی'' تھا، کیونکہ یہ بڑوں، بوڑھوں، بیماروں، کمزوروں کو لے اٹھتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

اس اعتبار سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے عرفی داماد، تھانہ بھون کی پیدائش، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فاضل اور پھر 25 سال تک مظاہر العلوم ہی کی مسند درس وتدریس کے مسند نشیں، مظاہر العلوم کے زمانہ قیام میں یہاں سے دو رسالے بھی جاری کیے، ''المظاہر'' اور ''دیندار''، ۱۳۶۰ھ میں جب حضرت حکیم الامت بیمار ہوئے تو خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے مدرسہ امداد العلوم میں فتویٰ اور تدریس کی ذمہ داری پر مامور ہوئے، حضرت حکیم الامت نے قرآن مجید کی فقہی تفسیر، فقہ حنفی کے اصولوں کے منہج وبنیاد پر مرتب کرنے کا جب منصوبہ بنایا تو اپنے متوسل علماء میں سے جن نامور فقہاء کو اس کام کے لئے منتخب کیا، ان میں سے ایک آپ بھی تھے، چنانچہ آپ نے اپنے لئے نامزد حصہ میں سے پانچ پاروں کی فقہی تفسیر بزبانِ عربی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے زمانہ میں ہی مکمل کرلی تھی، ۱۳۷۰ھ میں آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے، اور لاہور جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء کے رئیس بنائے گئے، آخر عمر تک اس نازک منصب کے تقاضوں کو نبھاتے رہے، رجب ۱۴۱۵ھ کو فوت ہوئے (اواخر 1994ء)

[1] خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ: ولادت شعبان 1301ھ بمطابق جون 1884ء، وفات شعبان 1363ء بمطابق اگست 1944ء۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے خلفاء میں ممتاز مقام رکھتے تھے، ڈپٹی انسپکٹر سکولز کے منصب پر تھے، اسی سے ریٹائر ہوئے، علی گڑھ سے بی اے کیا، ادب وشعر میں اونچا مقام رکھتے تھے، ہندوستان کے چوٹی کے شعراء میں سے گنے جاتے تھے۔

کشکول مجذوب کے نام سے آپ کا دیوان مطبوعہ ہے، دیوان کیا ہے، شریعت کی تعلیمات کا منظوم شاہکار ہے، بارگاہِ اشرفی کے کہنا چاہئے حسان بن ثابت تھے۔

اسی طرح ایک صاحب نوجوان، جنٹل مین جو غالباً حضرت کے اعزہ میں سے تھے، اور نو تعلیم یافتہ تھے، حضرت کی خدمت میں آئے، کلین شیو تھے، اور عذر کیا کہ حضرت! مجھے ایک دم سے آنا پڑ گیا (یعنی فرصت نہیں ملی کہ چند دن ڈاڑھی کا خط بڑھاتا، پھر بزرگوں کی خدمت میں آتا، شاید اس سے پہلے ان کا یہی وطیرہ ہوگا کہ حضرت کے ہاں حاضری کا ارادہ کرتے تو خط بڑھا لیتے، پھر آتے)

اس پر حضرت نے خوش طبعی سے جواب دیا (کہ ایک دم سے آنا پڑ گیا) تو ایک دُم سے لگا لی ہوتی (یعنی ایک دم کی مناسبت سے ایک دُم کا لفظ کہا، اور وہ بھی بامعنیٰ وبرموقعہ)

قاری عبدالمالک صاحب لکھنوی کے پیچھے تراویح

اباجی فرماتے ہیں کہ یہ قاری عبدالمالک لکھنوی [1] علیہ الرحمۃ کی شہرت اور عروج کا زمانہ

---

[1] قاری عبدالمالک لکھنوی رحمہ اللہ ہندوستان میں تجوید وقرائت کے مدارالاسناد اور تجوید وقرائت کے سلسلے کے بانی حضرت قاری عبدالرحمان مکی رحمہ اللہ کے ممتاز شاگرد تھے، قاری عبدالرحمان مکی صاحب کی ''فوائد مکیہ'' برصغیر کے تجوید کے نصاب میں شامل ہے، قاری عبدالرحمان مکی اپنے بڑے بھائی قاری عبداللہ مکی کے شاگرد تھے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ بھی قاری عبداللہ مکی صاحب کے شاگرد تھے، حکیم الامت کی ''جمال القرآن'' بھی برصغیر کے تجوید وقرائت کے نصاب کی بنیادی کتاب ہے، قاری عبداللہ مکی اور قاری عبدالرحمان مکی ''مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ'' کے فیض یافتہ ہیں، قاری عبداللہ مکی تو آخر تک مدرسہ صولتیہ میں ہی تجوید وقرائت کے استاد رہے، جبکہ قاری عبدالرحمان مکی صاحب واپس ہندوستان آگئے تھے، حضرت تھانوی نے قاری عبداللہ مکی صاحب سے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں ہی تجوید پڑھی تھی، یعنی جس زمانے میں آپ مکہ معظّمہ میں حاجی امداداللہ مہاجر مکی کی خدمت میں سلوک کے مراحل طے کرنے کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے، قاری عبدالرحمان مکی اور قاری عبداللہ مکی کے والد محمد بشیر خان تھے، جو غالباً 1857 کے حادثہ کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے تھے، وہاں قاری عبداللہ مکی رحمہ اللہ نے مصر کے ایک بڑے مقری شیخ ابراہیم بن سعد سے تجوید وقرائت پڑھی، مصری قرائت کا یہ فیض پھر مدرسہ صولتیہ سے ہوتے ہوئے قاری عبدالرحمان مکی صاحب کے ذریعے غیر منقسم ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلا، قاری عبدالمالک لکھنوی رحمہ اللہ تقسیم ہند سے پہلے متحدہ ہندوستان میں کانپور اور الٰہ آباد میں تجوید وقرائت کا فیض لٹاتے رہے، قیام پاکستان کے بعد آپ ہجرت کر کے دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار (سندھ) تشریف لائے، یہاں تجوید کا فیض جاری کیا، دوسری طرف تقسیم ملک کے بعد پنجاب میں قاری سراج احمد صاحب مظفر نگری رحمہ اللہ جو قاری عبدالرحمان مکی کے ہی شاگرد تھے، ان کے دل میں اللہ نے داعیہ پیدا کیا کہ پنجاب میں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تھا، ان کی لحنِ داؤدی سے لکھنوء کے بام و در گونج رہے تھے، ان کے پیچھے تراویح میں قرآن

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

تجوید و قرائت کا کوئی معیاری سلسلہ نہیں، اہل پنجاب قرآن کو صحیح لہجہ میں پڑھنے سے بالعموم محروم ہیں، چنانچہ انہوں نے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے مشورے و سرپرستی میں لاہور میں دار العلوم اسلامیہ کی بنیاد رکھی، اور یہاں تجوید کے منصب کے لئے دیوبند کے فاضل اور دار العلوم ہی میں قاری حفظ الرحمان کے تجوید و قرائت کے شاگرد قاری عبدالعزیز شوقی رحمہ اللہ کو راولپنڈی سے لاہور اپنے مدرسہ میں مدعو کیا، قاری عبدالعزیز شوقی تقسیم کے موقعہ پر ہجرت کر کے راولپنڈی آ گئے تھے، اور ریڈیو پاکستان سے وابستہ تھے، قاری سراج احمد کی دعوت پر آپ لاہور دار العلوم اسلامیہ میں شیخ التجوید مقرر ہو کر تشریف لے گئے، یہ قاری عبدالعزیز شوقی صاحب بندہ امجد راقم الحروف کے دادا استاد ہیں، میرے تجوید کے شیخ، شیخ المقری حضرت قاری حبیب الرحمان دامت برکاتہم آپ کے شاگرد ہیں، بلکہ میرے والد صاحب کی کسر نفسی کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے بڑھاپے میں قاری حبیب الرحمان سے تجوید کا ایک رسالہ ''تسہیل القواعد'' جو قاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ کا تحریر فرمودہ ہے، سبقاً سبقاً پڑھا تھا، قاری عبدالعزیز شوقی صاحب ایک عرصہ تک تو دار العلوم اسلامیہ لاہور سے وابستہ رہے، پھر جب قاری سراج احمد صاحب نے ٹنڈو الہ یار سے قاری عبدالمالک صاحب کو بھی لاہور اپنے مدرسہ میں بلا لیا، تو قاری عبدالعزیز شوقی صاحب یہاں سے مسلم مسجد بیرون لوہاری دروازہ تشریف لے گئے، اور وہاں تجوید و قرائت کا سلسلہ جاری فرمایا، اب دار العلوم اسلامیہ لاہور میں قاری عبدالمالک لکھنوی رحمہ اللہ کا فیض نشر ہونے لگا، اور ملک کے چپے چپے میں آپ کے باکمال شاگردوں کے ذریعے منتقل ہونے لگا، اسی زمانے میں قاری محمد شریف صاحب آسٹریلیا مسجد لاہور میں تجوید کا فیض لٹا رہے تھے، اس طرح تقسیم ملک کے وقت پاکستان میں یہ تین بڑے قراء، وقت کے ائمہ فن، قاری عبدالمالک صاحب، قاری محمد شریف صاحب، اور عبدالعزیز شوقی صاحب ہجرت کر کے تشریف لائے تھے، اور یہاں تینوں حضرات نے فن تجوید کو فروغ دیا یہ ان کا ہی فیض ہے کہ آج پاکستان کے کونے کونے میں تجوید و قرائت کے چرچے ہیں، اور صحیح قرآن پڑھنے والے میسر و موجود ہیں، اور یہ بالواسطہ فیض مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ اور قاری عبدالرحمان مکی کا ہے، اللہ ان سے راضی ہو۔

وضاحت مزید: جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی میں تجوید و قرائت کی تین باکمال ہستیاں جمع تھیں، جناب حضرت اقدس شیخ الحدیث قاری سعید الرحمان رحمہ اللہ، استاد القراء قاری محمد یعقوب ہزاروی اور شیخ المقری حبیب الرحمان صاحب، مزے کی بات یہ ہے کہ یہ تینوں حضرات بالترتیب قاری عبدالمالک لکھنوی، قاری محمد شریف اور قاری عبدالعزیز شوقی صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، بندہ امجد کو چونکہ ان تینوں اساتذہ سے فیض پانے کا موقعہ ملا ہے، اس لئے بالواسطہ تینوں ائمہ فن سے بندہ کو بھی ایک گونہ نسبت گویا کہ حاصل ہے۔

اُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَ لَسْتُ مِنْهُمْ — لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

دار العلوم اسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں موجودہ وقت میں مولانا مشرف علی تھانوی مہتمم ہیں، قاری احمد میاں تھانوی اور ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی بھی یہاں کے بزرگ ہیں، سبعہ عشرہ قرائات کی تعلیم، اور ادارہ اشرف التحقیق کی صورت میں تصنیفی تحقیقی کام یہاں کی درس نظامی کی عمومی تعلیم کے علاوہ اضافی سوغاتیں ہیں۔

سننے کے لئے دنیا ٹوٹ کے آتی تھی، دور ونزدیک سے لوگ ایک وارفتگی کے ساتھ اور ذوق و شوق سے آتے، مجھے بھی اللہ نے موقعہ دیا، میں نے لکھنوء کے اس قیام کے دوران رمضان میں تراویح قاری عبدالمالک صاحب رحمہ اللہ کے پیچھے پڑھی۔

تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ میں حاضری

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کی وفات جولائی 1943ء (رجب ۱۳۶۲ھ) میں ہوئی، دارالعلوم دیوبند کے زمانہ تعلیم میں 1945ء میں ابا جی کا تھانہ بھون کا سفر ہوا، خانقاہ امدادیہ میں حاضری ہوئی، تین دن خانقاہ میں قیام کیا، ختم خواجگان میں بھی شرکت رہی۔ [۱]

خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت کی زندگی میں ہی بعد عصر ختمِ خواجگاں کا معمول تھا (اور اب تک بھی ہے) تھانہ بھون کا یہ سفر دیوبند سے پیدل ہوا، تیسرے دن تھانہ بھون پہنچے تھے، اس سفر میں دوسری رات لوہاری قصبہ میں گزاری تھی، رفیقِ سفر حافظ خدا بخش صاحب نابینا تھے، جو امرتسر مفتی محمد حسن صاحب علیہ الرحمۃ (بانی جامعہ اشرفیہ) کے مدرسہ

---

[۱] یہ ایک وظیفہ ہے، جو اہلِ سنت کے تصوف کے سلاسلِ اربعہ میں سے خاص طور پر سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کے ہاں زیادہ معمول بہا رہا ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاں خانقاہ امدادیہ میں بھی اس کا معمول تھا، اور ہے، یہ دنیاوی مقاصد کے حصول اور مصائب و پریشانیوں کے دفیعہ کے لئے اور صرف بطور وِرد کے بھی پڑھا جاتا ہے، حلقہ کی صورت میں بھی، اور انفرادی صورت میں بھی۔

اس میں درجِ ذیل آیات وکلمات واذکار مندرجہ ذیل ترتیب سے پڑھے جاتے ہیں:

درود شریف: گیارہ بار

لا حول و لا قوة الا بالله لا ملجاء و لا منجاء من الله الا اليه (تین سو ساٹھ بار)

سورۃ الانشراح (تین سو ساٹھ بار)

لا حول و لا قوة الا بالله لا ملجاء و لا منجاء من الله الا اليه (تین سو ساٹھ بار)

درود شریف: گیارہ بار پھر دعا کی جاتی ہے، ''خانقاہ سراجیہ کندیہ'' میانوالی میں بھی روزانہ کے خانقاہی معمولات دو دفعہ، ختمِ خواجگان کا وظیفہ شامل ہے، بندہ ستمبر 2011ء خانقاہ سراجیہ میں حاضری کے موقع پر اس میں شریک ہو چکا ہے۔

سے گئے تھے۔

مفتی محمد حسن صاحب کے ہاں امرتسر میں رمضان گزارنا

دار العلوم دیوبند کے زمانہ تعلیم میں ہی پہلے سال رمضان کی چھٹیاں امرتسر آ کر حضرت مفتی محمد حسن صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت ومصاحبت میں گزاریں، عید الفطر پر بھی یہیں حضرت کی خدمت میں قیام رہا۔

فرماتے تھے کہ اسی قیام کے دوران حضرت مجھ سے اپنی مسجد میں کئی دفعہ جمعہ بھی پڑھواتے۔

اگلے سال جب میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوا، تو دورہ تفسیر کے لئے مولانا سلطان محمود [1] کے ہاں کوٹھیالہ شیخاں (تحصیل پھالیہ، ضلع گجرات) جانا ہوا، عید الفطر کی چھٹیوں میں امرتسر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پہنچا۔

حضرت بہت خوش ہوئے، فرمایا کہ تم یہیں میرے پاس مستقل قیام رکھو، میری مسجد میں مستقل جمعہ پڑھانے کی ذمہ داری سنبھالو، فرماتے ہیں کہ میں نے دورہ تفسیر مکمل کرنے کا عذر کیا (عید کی چھٹیوں کے بعد شوال میں بھی دورہ تفسیر کا سلسلہ چلنا تھا، اور اواخرِ شوال میں تکمیل ہونی تھی) حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ کوئی نہیں، تم بیان القرآن (مولفہ حضرت

---

[1] مولانا سلطان محمود: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے لائق فائق شاگرد رشید، حضرت کشمیری رحمہ اللہ کی تقریر ابوداود شریف دوران درس آپ منضبط کرتے تھے، نتیجتاً 70، 75 اجزاء پر مشتمل ابوداود کی ایسی تقریر مرتب ہوگئی، جو علوم عقلیہ نقلیہ کا مجمع البحرین تھی، افسوس کہ یہ شائع نہ ہوسکی، ورنہ ابوداود کی شروحات میں نمایاں مقام رکھتی، دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دہلی آ گئے تھے، اپنے کمالِ لیاقت اور علمی قابلیت سے جامع مسجد فتح پوری دہلی میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے باوقار منصب پر فائز ہوئے، اور غالباً 20 سال کے لگ بھگ اس منصب جلیل کو رونق بخشتے رہے، مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ سے بھی تفسیری استفادہ کیا، آخر عمر میں دہلی سے اپنے وطن کوٹھیالہ شیخاں تحصیل پھالیہ ضلع گجرات آ گئے، تو یہاں بھی مدرسہ کا سلسلہ جاری کیا، زمانے کے باکمال تشنگان علم فارغ التحصیل ہو کر تکمیل کے لئے اس گمنام گاؤں میں، دیہاتی ماحول میں آ کر آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے۔

رند جس ظرف میں پی لیں وہی جام بنے ۔۔۔ جس جگہ بیٹھ کر پی لیں وہی میخانہ ہے

شہرت وناموری سے کوسوں دور بھاگتے، گمنام زندگی اس بحر العلوم نے گزاری ع ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

حکیم الامت تھانوی صاحب) سے استفادہ کرو، لیکن میں چھٹیاں گزار کر واپس کوٹھیالہ شیخاں دورہ تفسیر کے لئے آ گیا۔

ابا جی فرماتے تھے کہ یہ میری زندگی کی بڑی غلطی تھی کہ میں نے حضرت مفتی صاحب کی صحبت اور آپ کی پیشکش قبول نہیں کی، بہر حال ع ہر چہ بادا باد

ملتان مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کی خدمت میں

مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز، جامعہ خیر المدارس ملتان کے بانی و رئیس (مولانا حنیف جالندھری ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے دادا) تھے، ابا جی کا تعلق آپ سے بریلی کے زمانہ تعلیم میں ہوا، بریلی میں مولانا یسین سرھندی رحمہ اللہ کے مدرسہ اشاعت العلوم، جہاں ابا جی نے تعلیم حاصل کی، یہیں مولانا خیر محمد جالندھری بھی زیر تعلیم رہے تھے، ہدایہ آخرین وغیرہ، حضرت جالندھری نے یہاں مولانا یٰسین سرہندی سے پڑھا تھا، اور جس دور میں ابا جی یہاں زیر تعلیم تھے، اس زمانے میں مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں مولانا خیر محمد جالندھری یہاں تشریف لاتے تھے، [1]

---

[1] مولانا خیر محمد جالندھری: ولادت ۱۳۱۲ھ یا ۱۳۱۳ھ بمطابق 1895ء نکودر ضلع جالندھر میں ہوئی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے خاص خلیفہ مجاز تھے، مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں آپ کا زمانہ تعلیم ۱۳۳۲ھ تا ۱۳۳۵ ابمطابق 1913ء تا 1916ء ہے، فراغت بھی مدرسہ اشاعت العلوم بریلی سے ۱۳۳۵ھ میں ہوئی، فراغت کے بعد کچھ عرصہ یہاں مدرس بھی رہے۔ شوال ۱۳۴۹ھ بمطابق مارچ 1931ھ کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی اجازت، مشاورت اور نصائح کی روشنی میں جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس جاری فرمایا۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے ملتان تشریف لائے، 9 اکتوبر 1947ء بمطابق ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ کو ملتان میں خیر المدارس ہی کے نام سے دار العلوم کی بنیاد ڈالی، مولانا عبد الرحمان کاملپوری رحمہ اللہ (والد ماجد شیخ الحدیث قاری سعید الرحمٰن رحمہ اللہ، جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی) خلیفہ مجاز حضرت تھانوی و شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور جیسے نابغہ زمانہ حضرات کی تدریس و تعلیم سے مدرسہ کا آغاز ہوا، آج خیر المدارس پاکستان کے سات آٹھ چوٹی کے جامعات (یونیورسٹی علوم اسلامی) میں سے ہے، وفاق المدارس العربیہ کی بنیاد و بقا اور ترقی میں مولانا خیر محمد جالندھری اور آپ کے مدرسہ خیر المدارس کا بڑا کردار ہے۔ ۲۱ شعبان ۱۳۹۰ھ بمطابق 22 اکتوبر 1970 کو آپ کی وفات ہوئی۔

پاکستان بننے کے بعد ایک دفعہ کچھ عرصہ (سال ڈیڑھ) ابا جی نے ملتان میں گزارا تھا، یہاں اقامت اختیار کی تھی، تو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کی شفقتوں کے زیرِ سایہ ملتان میں آپ درس و تدریس سے کسی جگہ وابستہ رہے، اور کسی سرکاری آفیسر کے ہاں پرائیویٹ سکول ٹیوشن پر بھی مامور ہوئے۔

محمد اسد نو مسلم کے جلسہ میں حاضری

قیامِ پاکستان سے پہلے ہی ایک دفعہ گوجرانولہ میں عظیم نو مسلم سکالر جناب علامہ محمد اسد (پولینڈ پھر جرمن سکونت) [1]

---

[1] علامہ محمد اسد: 1900ء میں پولینڈ کے ایک یہودی مذہبی (ربّی) خاندان میں پیدا ہوئے، نام ''لیو پولڈ ویس'' تھا، خاندانی روایت کے مطابق یہود کی قدیم متروکہ زبانیں ''عبرانی، آرامی'' سیکھیں، بائبل، تلمود، وغیرہ یہود کی مذہبی کتابوں کی تعلیم پائی، 1926ء میں اسلام قبول کیا، تقریباً چھ سال حجاز وغیرہ سعودیہ کے مختلف شہروں بشمول مدینہ منورہ میں قیام کیا، اس عرصہ میں سلطان ابن سعود سے بڑا قرب حاصل ہوا، پھر برصغیر ہندوستان آئے، یہاں علامہ اقبال مرحوم کی صحبت اختیار کی، مولانا مودودی جب دار الاسلام پٹھانکوٹ میں گئے، تو آپ نے مودودی صاحب کے ساتھ کچھ وقت وہاں گزارا، دار الاسلام پٹھانکوٹ کے مقاصد میں چوہدری نیاز مرحوم کے پیشِ نظر، غیر مسلموں اور نو مسلموں تک دینِ اسلام کی صحیح تعلیمات پہنچانا، اور ان کی مناسب تعلیم و تربیت بھی تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد انہیں اسلامی تعلیمات کے لئے قائم کردہ ایک نئے محکمے کا ڈائریکٹر بنایا گیا، دستور پاکستان کا ابتدائی خاکہ بھی مرتب کرنے کا فخر ان کو حاصل ہے، جو انہوں نے مرتب کر کے حکومت پاکستان کو پیش کیا، پھر ان کی تقرری وزارت خارجہ میں مشرق وسطیٰ کے لئے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے ہوئی، آخر میں وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مندوب اور نمائندہ بنے، یہاں سے مستعفی ہونے کے بعد آپ مراکش چلے گئے، اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں لگ گئے، بخاری کی منتخب احادیث کا انگریزی ترجمہ کر رہے تھے، جب فوت ہوئے، وفات فروری 1992ء میں ہوئی۔

آپ کی دو کتابیں، پچھلی صدی میں اسلامیات کے موضوع پر لکھی جانے والی موثر ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہیں، یہ کتابیں مشرق و مغرب میں کثرت سے پڑھی گئیں، اس میں خود مسلمانوں کو بھی آئینہ دکھایا گیا ہے، اور مغرب کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر، مغرب کی مادی تھیوریوں کی ناکامی اور اہلِ مغرب کو دعوت فکر پیش کی گئی ہے، بڑی موثر اور فاضلانہ کتابیں ہیں، ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کا مصداق ہیں۔ ایک Islam at the Cross Road دوسری The Road To Mecca پہلی کا ترجمہ ''اسلام دوراہے پر'' اور دوسری کا ترجمہ ''طوفان سے ساحل تک'' کے نام سے میرے پاس موجود ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک دینی تقریب میں مدعو تھے، اباجی فرماتے تھے کہ میں ان کی تقریر سننے ان کو دیکھنے (اور ملنے) کے لئے اس جلسہ میں شریک تھا۔

ان کی تقریر رسالت محمدیہ کے مقام ومرتبہ اور انسانیت کے لئے شریعت محمدیہ کی فیض رسانی کے موضوع پر بڑی بلیغ اور فاضلانہ تقریر تھی، اباجی اس تقریر کی مختلف باتیں بھی نقل فرماتے ہوتے تھے۔

شیخِ غازی احمد سکنہ بوچھال کلاں سے ربط وتعلق

شیخ غازی احمد نومسلم تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد آپ بڑے کٹھن مراحل اور مشکل حالات سے گزرے، ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے فوت ہوئے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

دوسری کتاب کا مقدمہ علی میاں ندوی مرحوم نے لکھا ہے، بڑا فاضلانہ مقدمہ ہے، جس سے محمد اسد صاحب کی تصویر نکھر کر سامنے آتی ہے، ایک عظیم انسان اور اس کے مادیت ودہریت زدہ عہد کے خدوخال واضح ہوتے ہیں۔

ان کتب کے مطالعے سے ایک سلیم الفطرت نومسلم کے مثالی اسلامی جذبات وقلبی احساسات جو سامنے آتے ہیں، وہ انتہائی قابل رشک ہیں۔

[1] پروفیسر غازی احمد: فاضل درس نظامی وفاضل فارسی لٹریچر، ایم اے عربی، بی ایڈ، پرنسپل گورنمنٹ کالج بوچھال کلاں، پنڈ دادنخان، ضلع جہلم۔

پروفیسر غازی احمد سابق کرشن لال سکونتی گاؤں میانی، قصبہ بوچھال کلاں علاقہ ونہار (اسی ونہار کو شہنشاہ بابر یعنی مغلوں کے جدامجد نے خوشاب جاتے ہوئے جب یہاں سے گزرہوا تو اس کی سرسبزی وشادابی اور خوش گوار آب وہوا سے متاثر ہوکر کہا تھا کہ "ونہار بچہ کشمیر است") نزد کلر کہار، تحصیل پنڈ دادنخان، ضلع جہلم، پیدائش جون 1924ء، وفات ابھی کچھ عرصہ پہلے ہوئی ہے، پروفیسر غازی احمد کی خودنوشت سوانح حیات "من الظلمات الی النور" کے نام سے شہرہ آفاق کتاب کی صورت میں محفوظ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر صاحب کی داستان حیات انتہائی غمگین اور دکھیا ہے، اور ساتھ ساتھ اسلام کی حقانیت اور ہدایت کے اللہ کے قبضہ میں ہونے کا زندہ ثبوت ہے۔ سبحان تیری قدرت!

غیر کو اپنا کرے اپنے کو غیر ۔۔۔ دَیر کو حرم کرے حرم کو دَیر
زوجہ لوط نبی ہووے کافرہ ۔۔۔ اور زوجہ فرعون کی ہووے طاہرہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

1947ء میں اباجی گجرات میں کالری دروازہ کی جامع مسجد میں منشی فاضل کا کورس کر رہے ہے

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

زادہ آزر خلیل اللہ ہو کنعان نوح کا گمراہ ہو

آپ علاقہ بوچھال کلاں کے ایک نہایت معزز، متمول اور بااثر ہندو گھرانے کے چشم و چراغ تھے، آپ کے والدین کی اولاد زندہ نہیں بچتی تھی، آپ کی سوانح حیات پڑھنے سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ نرینہ اولاد کے حصول کے لئے آپ کے ساہوکار و سرمایہ دار والد نے کیا کیا جتن نہیں کئے۔

آپ کے والدین، مندروں، استھانوں، بتکدوں پر ماتھا ٹیکتے منتیں مانتے، اور چڑھاوے چڑھاتے پھرتے، پھر اللہ نے یہ بچہ اس گھرانے کو عطا کیا، تو ان کی خوشی اور اس بچہ سے مستقبل کی امیدوں کی وابستگی کا کیا عالم ہوسکتا ہے؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، لیکن قدرت کو اس بچہ کے متعلق کچھ اور ہی منظور تھا، کتاب ہی سے یہ واقعہ بھی سامنے آتا ہے کہ جب آپ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے تو گھر کے قریب مسلمانوں کے ایک گھر میں ایک صوفی درویش اپنے مریدوں کے ہاں آئے تھے، انہوں نے آپ کی ماں کو گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ کون عورت ہے؟ جواب ملا کہ علاقہ کے معزز ہندو ''لالہ جوالا سہائے'' کی بہو ہے، تو فرمایا کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے، وہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھتے ہوئے سنائی دیتا ہے، یہ انکشاف حیرت انگیز تھا کہ ایک کٹر ہندو گھرانے کے جنین کے بارے میں جو ابھی شکمِ مادر میں ہے، یہ ہم کیا سن رہے ہیں؟ 1937ء میں سکول آتے جاتے مسلم غریب، بچوں سے

آپ کے بحث مباحثہ اور مذہبی گفتگو سے آپ کی نئی زندگی کی روداد شروع ہوتی ہے، ایسی زندگی، جو آزمائشوں اور مصائب و مشکلات کی گھاٹیوں سے ہو کر گزرتی ہے، ایک مسلمان ہم جماعت نے آپ کو مشہور نومسلم ''مولانا عبیداللہ مالیر کوٹلوی'' کی مشہور کتاب ''تحفۃ الہند'' مطالعہ کے لئے دی، یہ کتاب ہندو مذہب کی خانہ تلاشی اور جامہ تلاشی سے عبارت ہے، مشہور ہے ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے''، ایک سابقہ ہندو جس کو اللہ نے نور ایمان سے منور کیا، اس نے اپنے سابقہ مذہب کا اس کتاب میں جو منصفانہ، عادلانہ تجزیہ کیا ہے، وہ بڑے خاصے کی چیز ہے، اس سے ہندومت کا اصل چہرہ سامنے آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب ''تحفۃ الہند'' جو انیسویں صدی میں لکھی گئی اسے پڑھ کر سینکڑوں، ہزاروں ہندو، سکھ افراد و گھرانے شرک و کفر کے اندھیاروں سے نکل کر نور ایمان میں آئے، عبیداللہ سندھی جیسے بڑے آدمی اسی کتاب کے مطالعے سے مسلمان ہوئے، اور کتاب کے مصنف کے نام پر اپنا نام رکھا، تحفۃ الہند کی موجودہ آسان اور رائج الوقت اردو میں تسہیل بھی ہوچکی ہے، بازار میں عام ملتی ہے، اور پروفیسر غازی احمد کی ''من الظلمات الی النور'' نیٹ پر بھی موجود ہے۔

پروفیسر غازی احمد نے دارالعلوم دیوبند میں بھی تعلیم حاصل کی، پھر گجرات عنایت اللہ شاہ بخاری کے مدرسہ میں مولانا محمد فاضل صاحب نے ''منشی فاضل'' کورس کی جو کلاس شروع کی تھی، جس میں میرے اباجی بھی شریک تھے، پروفیسر غازی احمد بھی منشی فاضل کے اس کلاس میں شامل تھے، اور اباجی کے ہم سبق و کلاس فیلو تھے، اور یہیں سے میرے اباجی کا ان کے ساتھ یارانہ گھنٹا، اور باہم اتنا تعلق پیدا ہوا کہ ۱۳۶۶ھ کا رمضان اور عید اباجی نے انہی کے ہاں گزارا، اسی رمضان میں قیام پاکستان کا اعلان ہوا تھا، آپ گورنمنٹ کالج بوچھال کلاں کے پرنسپل کے منصب تک پہنچے، اور ریٹائر ہوئے، بھرپور و کارآمد اسلامی زندگی گزاری ہے۔

تھے، شیخ غازی احمد اس کورس میں ابا جی کے ہم سبق تھے۔

اس سال رمضان میں ابا جی کا ان کے ہاں بوچھال کلاں جہلم میں قیام رہا، عید بھی یہیں کی، اوراسی رمضان کی ۲۷ تاریخ کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا، بمطابق 14 اگست 1947۔

اب گورداسپور تقسیم کے نتیجے میں انڈیا کے پاس چلے جانے کی وجہ سے اب اپنے وطن جانے کی کوئی صورت نہ رہی، بلکہ اپنے رشتہ داروں، اور گھر والوں کی فکر ہوئی کہ نقل مکانی کر کے کہاں آئے ہوں گے؟

چنانچہ ان کو تلاش کرتے کرتے شکر گڑھ پہنچے، جہاں یہ لوگ مہاجرین بن کر آئے تھے۔

تقسیم ملک کے بعد کے اجمالی حالات

ہجرت اور نقل مکانی کے مختلف مراحل

قیام پاکستان کے بعد اباجی کے قریبی اعزہ زیادہ تر شکر گڑھ نقل مکانی کر کے آ گئے تھے، پہلے ٹرپئی نامی گاؤں میں کچھ عرصہ قیام رہا، پھر پٹیالہ آ گئے، آپ کے چچا (جو سوتیلے والد بھی تھے) عمر دین پٹیالہ میں اپنے گھرانے کے ساتھ آ بسے تھے، تبادلے میں ان لوگوں کو یہاں مکانات اور زمین مل گئی، اباجی کو بھی یہیں مکان الاٹ ہوا، یہاں کچھ عرصہ اباجی نے کریانہ دوکان بھی کی، اپنی طبعی سادگی سے اس میں بڑا نقصان اٹھایا، 1949ء میں یہاں سے دلبرداشتہ ہو کر ضلع جڑانوالہ میں شاہ کوٹ چلے گئے، وہاں گاؤں لہناں سنگھ والی میں مقیم ہوئے، یہاں بھی کریانہ کی دوکان کی، یہاں بھی کئی اعزہ آباد تھے، خصوصاً آپ کا سسرالی کنبہ آپ کے عیال میں تھا، یہاں سے دلبرداشتہ ہو کر آپ فیصل آباد کے قریب مہتہ 63 چک آ گئے، یہاں 600 روپے میں ایک مکان خریدا۔

سکول میں مدرسی

اسی زمانہ میں 41 چک میں ایک نیا سکول کھلا، آپ یہاں مدرس/ٹیچر لگ گئے، آزادی سے پہلے یہ سکھوں کا سکول تھا، یہاں سکول کی جانب سے فیملی کوارٹر بھی مل گیا، اس سکول کا بانی پیر ظہور الحق تھا، [1]

---

[1] یہ پیر ظہور الحق آزادی سے پہلے سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) میں ہیڈ کلرک تھا، خود اسی کے بقول مولانا سعید احمد دہلوی صدر جمیعہ علماء ہند کو خادم کا روپ بنا کر گرفتار کرانے والا بھی یہی شخص تھا، اس کا والد پیر سراج الحق پہلے مال افسر تھا، پھر ریٹائر ہو کر پیر بن گیا، ظہور الحق بھی باپ کی جانشینی میں پیر بنا۔

1956ء تک اس سکول سے وابستگی رہی، 1956ء میں فیصل آباد کوتوالی روڈ پر گورنمنٹ ایم سی ہائی سکول میں کوشش کر کے تقرری ہوئی۔ یہاں 1958ء تک تدریس کی، یعنی اڑھائی سال ایوب کے مارشل لاء تک۔

مدرسہ میں تدریس، کاروباری سرگرمیاں، مالی خسارہ

پھر مفتی زین العابدین صاحب (جامعہ دارالعلوم، فیصل آباد) [1] کے مشورہ سے اسکول کی ملازمت سے استعفیٰ دے کر ان کی زیرِ سرپرستی مدرسہ اشرف المدارس میں آ گئے، جس کے مہتمم رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی [2] کے چھوٹے بھائی مولانا یحییٰ تھے،

[1] مفتی زین العابدین: جماعت تبلیغ کے اکابرو بزرگوں میں ایک نمایاں نام اور صاحب علم وفضل ہستی ہیں، شیخ انور شاہ کشمیری کے غالباً ڈابھیل کے دور کے ممتاز تلمیذ ہیں، دارالعلوم فیصل آباد آپ کا صدقہ جاریہ اور عظیم یادگار رہے، علوم اسلامی کی ترویج واشاعت میں دارالعلوم فیصل آباد کی خدمات بین الاقوامی سطح تک پھیلی ہوئی ہیں، تبلیغی جماعت کی محنت سے بیرون ممالک افریقہ وغیرہ سے آنے والے طلباء کو ایک زمانے میں دارالعلوم فیصل آباد ہی سنبھالتا تھا، علمی ودعوتی میدانوں کے بڑے نمایاں وسربرآوردہ اہل علم یہاں کے فیض یافتہ ہیں، میرے والد مرحوم کا حضرت مفتی صاحب سے دوستانہ اور برادرانہ تعلق تھا، اور ایک زمانے میں دونوں بزرگ ہم نوالہ وہم پیالہ رہے ہیں، حضرت مفتی صاحب کی وفات ۱۴۲۵ھ اپریل 2004ء میں ہوئی، اکتوبر 2003ء میں اباجی کے ساتھ بندہ راقم کا فیصل آباد کا سفر ہوا تھا، اس وقت دارالعلوم فیصل آباد میں بھی حاضری ہوئی تھی، یہ حضرت مفتی صاحب کی شدید علالت کا زمانہ تھا، ملنا جلنا بھی موقوف تھا، صاحب فراش تھے، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔

[2] رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی رحمہ اللہ: وفات ستمبر 1956ء، دارالعلوم دیوبند کے فاضل و قابل سپوت، آل انڈیا مجلس احرار کے صدر رہے، تحریک آزادی ہند کے عظیم انقلابی رہنما، غلام ہندوستان کے بالغ نظر سیاست دان، انگریز حکام نے جن کی سیاسی بوجھ بوجھ اور بصیرت کی داد دی، اور ان سے متاثر ہوئے، تقسیم کے بعد آپ کے خاندان کے لوگ نقل مکانی کر کے بہت سے ادھر آ گئے، آپ انڈیا میں ہی رہے، انڈیا کے مسلمانوں کے لیڈر تھے، لیڈر ہی رہے، آخر وقت تک ساتھ نبھایا، جینا، مرنا، انہی کے ساتھ کیا۔ 1955ء میں حکومت سعودیہ کے مہمان ہونے کی حیثیت سے سرکاری حج کیا، اس کے بعد شاہ سعود بن عبدالعزیز جب ہندوستان کے دورے پر آئے، تو حکومت ہند کی طرف سے آپ ہی ان کے تمام انتظامی امور اور پروٹوکول کے نگران و ذمہ دار تھے، آپ کی عمر 54 برس ہوئی ہے، اس 54 سالہ حیات مستعار میں سے دس سال چھ مہینے لیلائے وطن کی آزادی کے لئے اس مجنون نے قید خانوں اور بند وسلاسل میں گزارے، گویا کہ زندگی کا پانچواں حصہ قید وبند میں گزرا، قادیانیت شکنی کے محاذ پر علمائے لدھیانہ کی کوششیں وکاوشیں محتاج بیان نہیں، اس محاذ پر بھی آپ کی خدمات بہت نمایاں ہیں، احرار کی تحریک کشمیر کی صورت میں آپ نے قادیانیت پر وہ ضربیں لگائیں کہ کشمیر کو قادیانیوں کا اپنے چنگلِ ارتداد میں لینے کا خواب چکنا چور ہو گیا۔

ان سے نہ بن سکی، 1962ء میں یہاں سے استعفیٰ دے کر مفتی صاحب کے القاسم اسکول میں آ گئے، سال بھر یہاں رہے پھر یہاں سے چھوڑ دیا، اس کے بعد کچھ عرصہ کپڑے کی دوکان کی، کٹ پیس کپڑے کا پرچون کاروبار کرتے تھے، اسی طرح 60ء کے عشرہ ہی میں ایک اور رفیق (مولوی عنایت اللہ صاحب) سے پارٹنرشپ/شراکت داری کر کے فیصل آباد (غالباً جھنگ روڈ پر) اینٹوں کا بھٹہ قائم کیا، اس بھٹے نے تو کچھ ہی عرصہ میں (غالباً دو تین سال میں ہی) دونوں پارٹنروں کا بھٹہ بٹھا دیا، اور لٹیا ڈبو دی کہ ایک سرکاری تعمیراتی منصوبے کے لئے یہاں سے تقریباً کئی لاکھ اینٹیں گئیں، لیکن راشی افسران کی بلیک میلنگ اور ملی بھگت سے ان شریف پارٹنروں کا جو مولوی بھی تھے اور تبلیغی بھی، رشوت اور کمیشن نہ دینے کی پاداش میں بل روک لئے گئے، اور یہ حضرات حالات سے اتنے دلبرداشتہ ہو گئے کہ سب چھوڑ چھاڑ کر گوشۂ عافیت میں پناہ لی۔

دوبارہ گورنمنٹ سکول میں ملازمت

چوہدری محمد حسین جو مڈل سکول سمن آباد کے سیکنڈ ماسٹر تھے (کچھ عرصہ بعد یہ سکول ہائی ہو گیا تھا) ان کی کوششوں سے سمن آباد کے اسی سکول میں تقرری ہوئی، پھر ریٹائرمنٹ تک تقریباً 17 سال 1979ء تک اسی سکول میں تدریس کی، یہیں سے ریٹائرمنٹ ملی۔

سمن آباد مڈل سکول 15 اپریل 1963ء میں کھلا تھا، اسی دن سے اباجی اس سکول میں مدرس ہوئے۔ فرماتے تھے کہ عربی فارسی دونوں میں عبور کی وجہ سے مجھے آسانی رہی کہ سکول والے مجھے غنیمت سمجھتے، کیونکہ میرے متبادل ان کو دو استاد رکھنے پڑتے، میرے تبادلے کو ہیڈ ماسٹر خود رکوا دیتا کہ یا تو ہمیں دو استاد متبادل دو یا یہ یہیں رہیں۔

رشتۂ ازدواج وسلسلہ اولاد

آپ کے چار رشتے ہوئے، دو زمانہ طالب علمی میں، یکے بعد دیگرے ہوئے، اور چچا

صاحب کی سخت گیری کی وجہ سے ختم ہوئے، پہلا ماموں زاد بہن سے، دوسرا پھوپھی زاد بہن سے۔

تیسرا رشتہ مناکحت دوسری پھوپھی زاد بہن سے 1947ء میں ہوا، جب آپ نے دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔ اس اہلیہ کا 1980ء میں انتقال ہوا، ان سے دو بیٹے، حافظ اخلاق احمد اور حافظ اشفاق احمد، اور ایک بیٹی تھی، بیٹی بڑی تھیں، جنوری 2003ء میں اس بیٹی کا انتقال ہوا۔ [1]

حافظ اخلاق حافظِ قرآن ہیں، دارالعلوم فیصل آباد کے فیض یافتہ ہیں، قاری اشفاق صاحب، حافظ، قاری، اور وسطانی درجات تک درس نظامی پڑھے ہوئے ہیں، جامعہ مدنیہ لاہور کے فیض یافتہ ہیں، حافظ اشفاق صاحب 1980ء میں اپنی والدہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد سعودیہ چلے گئے تھے، حافظ اخلاق صاحب کی اولاد نہیں، ایک بھانجی کو انہوں نے لے کر پرورش کیا ہے، حافظ اشفاق صاحب کے ایک برخوردار محمد یوسف سلمہٗ ہیں۔ [2]

---

[1] اس بیٹی مرحومہ باجی نفیسہ بی بی کے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں، یہ سب اولاد یعنی اباجی کے نواسے، نواسیاں (سوائے ایک کے) شادی شدہ اور عیال دار ہیں، دو نواسے، مولوی محمد ایاز صاحب اور مفتی محمد امتیاز صاحب علومِ دینیہ کے فضلاء اور تعلیم و تدریس، امامت و خطابت سے وابستہ ہیں، سب سے چھوٹے حافظ شہباز صاحب حافظ قرآن ہیں، دو نواسے طب و حکمت کے شعبے سے متعلق ہیں، حکیم محمد الیاس صاحب (سب سے بڑے ہیں، فنافی جماعت التبلیغ ہیں) اور حکیم محمد فیاض صاحب، فیاض صاحب کے علاوہ باقی چاروں بھائیوں کی تعلیم و تربیت وسطانی مرحلوں تک اباجی یعنی اپنے نانا کے زیرِ سایہ و زیرِ نگرانی ہوئی ہے، نانا کا رنگ ان سب پر بلکہ بیٹی کے اس پورے گھرانے پر خوب چڑھا ہے، تین نواسیاں بحمداللہ فاضلاتِ درسِ نظامی ہیں، اور گھر میں پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ جاری رکھتی ہیں۔

اباجی کے داماد مولوی مشتاق صاحب دردِ دل کے حامل، صاحب نسبت، ذاکر شاغل بزرگ ہیں، زمیندار ہیں، فتح جنگ کے قریب کوہاٹ روڈ پر ایک مرحوم بزرگ سے تصوف و طریقت میں مجاز و منسوب ہیں، اپنی اہلیہ کے ایصالِ ثواب کے لیے مولوی مشتاق نے اپنی زرعی اراضی میں سے چار کنال وقف کر کے مسجد و مدرسہ بنوایا، مدرسہ حسین بن علی، مفتی امتیاز صاحب اور مولوی ایاز صاحب اس مدرسہ میں دینی خدمات سرانجام دیتے ہیں، مفتی امتیاز صاحب نے فقہی مشق ادارہ غفران راولپنڈی میں کی ہے، مولوی ایاز آج کل لاہور میں دینی خدمات کے سلسلے میں منتقل ہو گئے ہیں۔

[2] افسوس کہ حافظ اشفاق صاحب مرحوم جنوری 2016ء میں رحلت فرما گئے۔

مانسہرہ سے تعلق اور مولوی جمعہ خان مرحوم سے وابستگی

آخری رشتہ مناکحت آپ کا مانسہرہ کے گاؤں اچھڑیاں میں، سواتی برادری کے مولوی جمعہ خان مرحوم کی دختر سے 1972ء میں ہوا، [1]

[1] مولوی جمعہ خان بن مولوی حبیب گل: بندہ امجد راقم الحروف کے نانا تھے، ذاکر، شاغل وصاحب نسبت بزرگ تھے، حضرت مفتی محمد حسن صاحب علیہ الرحمۃ کے سلسلہ بیعت وارشاد اور حلقہ ارادت میں شامل تھے، اصل گاؤں آپ کا چھتر (ضلع مانسہرہ) کے قریب بائی نامی تھا، تحصیل علم کے لئے اسفار کئے، دینی علوم غالباً وسطانی درجات تک پڑھے تھے، ریاست بڑودہ میں دینی خدمات سے عملی زندگی کا آغاز کیا، تقسیم ہند تک یہیں رہے، اہل وعیال بھی ہمراہ تھے، ان کے دو بیٹے، ماسٹر عبدالحلیم صاحب اور حافظ محمد نذیر ایڈوکیٹ، عصری علوم سے آراستہ فاضل وذکی شخصیات ہیں، ماسٹر عبدالحلیم صاحب اردو کے صاحب طرز شاعر وادیب بھی ہیں، قلم برداشتہ لکھتے ہیں، اور خوب لکھتے ہیں، تحریر کی متانت وشگفتگی کے ساتھ طنز وتنقید کی ہلکی چاشنی ان کی تحریر کا نمایاں جوہر ہے، روزنامہ اسلام میں ان کی قلم برداشتہ تنقیدی اور اصلاحی تحریریں مکتوب کے طور پر شائع ہوتی رہی ہیں، دونوں بھائی گورنمنٹ سکول ٹیچر رہے، حافظ نذیر بیرسٹر بھی ہیں، جید حافظ ہیں، روزانہ پانچ پارے چلتے پھرتے پڑھنا ان کا معمول تھا، اب بھی ہوگا پوچھا نہیں، میری والدہ اور ان دونوں بھائیوں کی پیدائش بڑودہ کی ہے، مولوی جمعہ خان مرحوم تقسیم کے بعد جب نقل مکانی کر کے وطن آئے تو اچھڑیاں کے مضافات ''کورے'' میں زرعی زمین اور ایک پہاڑی ٹیلہ خریدا، جو اب بھی ان کی اولاد کے تصرف میں ہے، آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ تقسیم کے بعد ٹیکسلا کے قریب ''سالارگاہ'' اور ''عثمان کھٹر'' میں گزرا، یہاں اطراف وجوانب کے لوگ آپ سے اعتقاد وارادت رکھتے تھے، آپ کے روحانی عملیات، تعویزات بڑے موثر ومجرب تھے، جنات آپ کے لئے وہبی طور پر مسخر کیے گئے تھے، ان سے بعض کام بھی لیتے تھے، اور آسیب زدہ لوگوں کا کامیاب علاج بھی کرتے تھے۔

حکمت سے بھی شغف تھا، خود دوائیاں بناتے، چند نسخے رکھتے تھے، لیکن یہ بڑے مجرب اور تیر بہدف نسخے تھے، میں نے بچپن میں نانا مرحوم سے دس پارے ناظرہ قرآن مجید، ۲ پارے حفظ اور پرائمری کی دوم یا سوم کی اردو، اسلامیات وغیرہ پڑھی تھی، بندہ کے ساتھ شفقت ولگاؤ زیادہ رکھتے تھے، 15 نومبر 1988ء کو فوت ہوئے، اچھڑیاں میں ہی آسودہ خواب ہیں، اباجی کی قبر آپ کی قبر کے جوار میں ہے، وفات کے وقت عمر 80 سال کے قریب ہوگی، آپ کی قبر پر اطراف ٹیکسلا سے متوسلین ومریدین گاہے بگاہے آتے رہتے ہیں۔

لیکن بحمد اللہ یہاں بدعات وخرافات کا کوئی سلسلہ نہیں۔

میرے بہنوئی گل بہادر کئی سال پنڈ گھا کڑہ نامی گاؤں میں خطیب رہے، جو ٹیکسلا کے مضافات میں خانپور روڈ پر صوبہ سرحد کی حدود میں ہے، میں نے خود بھی بعض دفعہ یہاں جمعہ پڑھایا۔

یہاں سے وہ گاؤں قریب ہے، جہاں میرے نانا مرحوم نے زندگی کا بڑا حصہ وعظ وارشاد کرتے گزارا، وہاں کے بعض لوگ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ اہلیہ حیات ہیں، ان سے ایک بیٹی میمونہ بی بی [1] اور ایک بیٹا راقم الحروف محمد امجد ہے، (ایک بیٹی بچپن میں فوت ہوگئی تھی) مولوی جمعہ خان مرحوم سے آپ کے تعلق کی چند وجوہ ہیں۔

(1)......مولوی جمعہ خان تقسیم سے پہلے انڈیا میں گجرات کے علاقے بڑودہ میں قیام پذیر تھے، [2] وہاں ان کی امامت خطابت وغیرہ دینی خدمات کے مشاغل تھے، تقسیم کے بعد وہ بیوی بچوں سمیت ہجرت کر کے اپنے علاقے اچھڑیاں (مانسہرہ) واپس آئے۔

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾ جو نانا مرحوم کے متوسل تھے، مولوی گل بہادر صاحب کے پاس آتے تھے، گھاکڑہ گاؤں میں میں نے دینداری کا لوگوں کے صحیح عقیدہ اور دین کے صحیح جذبات کا قابلِ رشک ماحول دیکھا، جو عموماً ہمارے ان علاقوں کے دیہاتوں میں نہیں پایا جاتا، یہ شاید نانا مرحوم کی طرح کے بزرگوں کے فیوضات کا نتیجہ وثمرہ ہو۔

[1] میری سگی ہمشیرہ ہیں، حافظِ قرآن اور ضروری دینی تعلیمات سے بہرہ ور ہیں، مئی 2001ء میں ان کی شادی، دوتال سواتی خاندان میں بشام کے قاری گل بہادر صاحب سے ہوئی، جو عرصہ سے ٹیکسلا میں آباد ہیں، 2000ء میں مولوی گل بہادر صاحب نے دورہ حدیث سے، جامعہ فاروقیہ کراچی سے فراغت حاصل کی، میری یہ ہمشیرہ لاولد ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو نیک صالح اولاد عطا فرمائے۔

خود میری شادی 2002ء کے دسمبر میں (کہ شوال 1421ھ تھا) ہوئی، بحمداللہ میرے پانچ بچے ہیں، 3 بیٹے 2 بیٹیاں ہیں، محمد عشرت وقاص، محمد ثمامہ تنگیالے، منزہ گلالئی، عبداللہ ذکوان، حسناء۔

[2] بڑودہ شہر کا نام بھی تھا، اور ریاست کا بھی، یہ گجرات کاٹھیاوار کی ریاست تھی، تقسیم برصغیر کے بعد تو ریاستوں کا سلسلہ ختم ہوگیا، 1949ء سے یہ علاقہ صوبہ بمبئی کا حصہ بنا دیا گیا، اس ریاست کی مغلوں کے عہد زوال (1731ء) سے تقسیم ملک تک بڑی ہنگامہ خیز تاریخ رہی ہے، یہاں مغل صوبہ داروں، مرہٹوں، انگریزوں کی لڑائی بھڑائی، اکھاڑ پچھاڑ، کا ایک لمبا سلسلہ رہا ہے، احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کی پانی پت کے میدان میں تاریخی جنگ (1761ء) کے بعد یہاں ہندو گائیکوار خاندان کی مستحکم حکومت کی بنیاد پڑی، گائیکوار خاندان کے مہاراجہ سیاجی راؤ کا عہد حکمرانی 64 سال یعنی 1875ء تا 1939ء ہے، اس عہد میں ریاست نے بڑی ترقی کی، یہاں تعلیمی اداروں کی تعداد اڑھائی ہزار سے بھی زیادہ ہوگئی، اکنامکس واقتصادیات کے لئے مستقل کالج اس دور میں بنا، ریاست کا اپنا ریل کا نظام قائم ہوا، عمدہ سڑکوں کا جال بچھ گیا، ٹیکنیکل تعلیمی ادارے قائم ہوگئے، ڈسٹرکٹ سطح کی کمیٹیاں بنی، جن میں عورتوں کی نمائندگی بھی تھی، شہر بڑودہ دریائے وشوامتری کے کنارے آباد ہے، یہ بڑودہ کا نام "بڑ" کے درختوں کی وجہ سے پڑا، جن کی اس علاقہ میں کثرت وبہتات ہے۔ یہاں کی تاریخی عمارت لکشمی ولاس ہے، یہ مہاراجہ کا شاہی محل تھا، جس میں تاریخی نوادرات محفوظ ہیں، یہ نوادرات عالمی شہرت کے حامل ہیں، موتیوں اور ہیروں کے عالمگیر شہرت کے حامل ہار، ایک خاص قسم کا قالین، ایک مرصع غلاف وغیرہ، بڑودہ شہر بمبئی سے لگ بھگ پونے چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر بی بی اینڈ سی آئی ریلوے لائن پر واقع ہے۔

(2)......مولوی جمعہ خان مرحوم حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ سے بیعت تھے، اور ابا جی کا بھی حضرت مفتی صاحب سے نیازمندانہ گہرا تعلق رہا، اس طرح دونوں آپس میں خواجہ تاش یا پیر تاش ہوئے (ایک آقا کے دو غلام، یا ایک استاد کے دو شاگرد، یا ایک مرشد کے دو مرید آپس میں خواجہ تاش کہلاتے ہیں، یہ ترکی زبان کا لفظ ہے، علماء اسلام میں طاش کبریٰ زادہ مشہور ہستی تاریخ اسلام میں گزری ہیں)

(3)......ابا جی کا مانسہرہ میں ساٹھ اور ستر کے عشرے میں بہت آنا جانا رہا، یہاں مولانا غلام غوث ہزاروی، [1] اور ان کے بھانجے مولوی محمد فیض سے آپ کا بڑا تعلق رہا، بلکہ مولوی محمد فیض فیصل آباد میں گورنمنٹ ہائی سکول سمن آباد میں ٹیچر تھے، اور ابا جی بھی اسی سکول میں ٹیچر تھے، مولوی جمعہ خان صاحب کے گھرانے سے ابا جی کا رابطہ کرانے میں بفہ کے یہی بزرگ واسطہ بنے۔

(4)...... مانسہرہ کے مولانا فیض علی شاہ دار العلوم دیوبند کے فاضل اور مدرس رہے ہیں، پرانے بزرگ تھے، 2000ء کے لگ بھگ آپ کا انتقال ہوا، ابا جی کا ان سے قدیمی تعلق

---

[1] مولانا غلام غوث ہزاروی: آپ ضلع مانسہرہ کے قصبہ ''بفہ'' جو وادی پکھل کی ذرخیز و مردم خیز بستی ہے، سے تعلق رکھتے تھے، دار العلوم دیوبند کے سرچشمہ فیض کے اس وقت کے فضلاء میں سے ہیں، جب مسند درس پر شیخ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ جیسے یکتائے زمانہ مسند نشین تھے، تو فیض پانے والوں میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت قاری محمد طیب صاحب، حضرت ادریس کاندھلوی، جیسی زمانہ ساز و تاریخ ساز ہستیاں امت کو مل رہی تھیں۔ ؎

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

فراغت کے بعد اپنے لئے درس و تدریس جیسے یکسوئی و سنجیدگی کا شعبہ منتخب کرنے کی بجائے سیاست، خطابت اور تحریکات کا ہنگامہ خیز و خاردار میدان منتخب کیا، قومی تحریکوں اور پاکستانی سیاسیات میں آپ صف اول کے لیڈر اور نابغہ تھے، قومی وصوبائی دونوں ایوانوں میں اس درویش منش قلندر نے اپنے کردار و گفتار اور جلال و جمال کے اُجلے نقوش چھوڑے، حزبِ اقتدار و حزب اختلاف دونوں کیمپ آپ کے دیکھے بھالے اور برتے و آزمائے ہوئے تھے۔

آپ کی قلندری و درویشی کی شان ہر حال اور ہر مرحلہ میں یکساں تھی، پورے عالم اسلام میں پاکستان کے ایک قد آور اور لائق، فائق عالم کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ربیع الاول ۱۴۰۱ھ بمطابق 4 فروری 1981ھ میں انتقال ہوا۔

نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے ــــ جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

تھا، ان کے بھائی مولانا سید الازکیاء کا بٹل (مانسہرہ) میں مدرسہ تھا، اباجی کا مولانا سید الازکیاء صاحب کے اس مدرسے میں کثرت سے آنا جانا تھا، اس مدرسہ کے آپ اعزازی رکن و معاون تھے (یہ مدرسہ پچھلے دس بارہ سال سے جامعۃ الرشید کراچی کی نگرانی و تولیت میں دے دیا گیا ہے، ماشاء اللہ تعلیمی اور رفاہی خدمات میں اس مدرسہ نے پچھلے دس سال میں بٹل (مانسہرہ) میں بڑا نام پیدا کیا ہے، اور نیک نامی کمائی ہے) بفہ اور بٹل کے وسط میں اچھڑیاں ہے، مولوی فیض کی وساطت سے آپ کا اچھڑیاں میں تعلق ہوا، یہاں مولوی فیض کے کچھ سسرالی اعزہ مولوی جمعہ خان صاحب کے رشتہ داروں میں تھے۔

(5)......استاد القراء جناب قاری محمد یعقوب (صدر مدرس جامعہ اسلامیہ صدر، راولپنڈی) کا تعلق اچھڑیاں سے ہے۔ [1]

1983ء میں اباجی فیصل آباد سے مستقل ترکِ سکونت کر کے اچھڑیاں تشریف لے آئے تھے، اور آپ کا ارادہ بفہ میں کچھ تجارتی مشاغل شروع کرنے کا تھا، اسی دوران ایک دفعہ آپ راولپنڈی آئے، یہاں قاری محمد یعقوب صاحب سے جامعہ اسلامیہ میں ملاقات ہوئی، قاری صاحب سے آپ کی پرانی شناسائی تھی، نیز قاری سعید الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ مہتمم جامعہ اسلامیہ اور جناب اکبر مرحوم سیکرٹری مسجد سے آپ کی ملاقات اور تعارف ہوا، جس کے

---

[1] استاد القراء قاری محمد یعقوب صاحب اچھڑیاں کے ہیں، تجوید و قرائت میں آپ کا مقام و مرتبہ پورے ملک میں مسلم ہے، پوری زندگی قرآن مجید کی خدمت و اشاعت میں گزار دی، اب چراغ آخرشب ہیں۔

ہمیں نہ چھیڑ کہ ہم ہیں چراغ آخر شب　　　ہمارے بعد اندھیرا نہیں اجالا ہی اجالا ہے

فن تجوید میں قاری محمد شریف رحمہ اللہ جیسی تاریخ ساز و عہد ساز ہستی کے لائق فائق شاگرد ہیں، صدر ضیاء مرحوم کو آپ کا لحن داؤدی اور لہجہ اتنا پسند آیا کہ آرمی ہاؤس کی مسجد میں آپ کو اپنا خطیب مقرر فرمایا، اب تک بھی حضرت قاری صاحب وہیں خطیب ہیں، 50 کے عشرے سے قرآن کی خدمت و اشاعت میں ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔

آپ کے ہزاروں تلامذہ آپ کے علمی فیضان کو دنیا کے کونے کونے میں نشر کر رہے ہیں، بندہ امجد کو بھی آپ سے حفظ کرنے کی سعادت حاصل ہے، بندہ کو غایت شفقت سے اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں، استادوں و بزرگوں کا یہی اعتماد و شفقت بندہ کا دنیا و آخرت کا راس المال اور سرمایہ ہے، اللہ تعالیٰ قاری صاحب کا سایہ تادیر قائم رکھے، صحت و عافیت کے ساتھ۔

نتیجے میں آپ جامعہ اسلامیہ سے وابستہ ہوئے۔ [1]

(6)......اچھڑیاں کے معروف عالم دین اور جامع مسجد کے خطیب حضرت مولانا غلام نبی صاحب المعروف خطیب صاحب فیصل آباد، اشرف المدارس کے دور کے(1957ء و 1958ء) آپ کے شاگرد تھے۔

ان کے پاس بھی آپ تشریف لاتے تھے، جامعہ اسلامیہ، راولپنڈی سے اباجی کی وابستگی کے ابتدائی محرک بھی خطیب صاحب ہی تھے (خطیب صاحب بندہ امجد کے استاد ہیں، جماعت پنجم، ششم میں بندہ نے گورنمنٹ مڈل سکول اچھڑیاں میں اسلامیات آپ سے پڑھی تھی)

خطیب الاستاذ مولانا غلام نبی دامت فیوضہم کا ذکرِ خیر

خطیب صاحب بندہ کے استاذ ہیں، بندہ پر بہت شفقت فرماتے ہیں، بندہ کی درخواست پر آپ نے اباجی کے متعلق چند صفحات پر مشتمل مضمون میں کچھ تأثرات اور یادداشتیں لکھی تھیں، افسوس کہ یہ مضمون مجھ سے گم ہوگیا، اس مضمون کے مطابق آپ نے اباجی سے اشرف المدارس فیصل آباد میں ترجمہ قرآن آخری 3 پارے، 28 تا 30، فارسی لٹریچر میں گلستانِ سعدی پڑھی تھی، آپ کے درس کی خصوصیات اور انداز پر کچھ لکھا تھا، جو اس سے ملتا جلتا ہے، جو اس مجموعہ میں آپ کے اندازِ تدریس پر لکھا گیا ہے، اور شفقت وخوش مزاجی کا ذکر کیا ہے، اور اچھڑیاں میں اباجی کی پہلی آمد کے وقت اڈے پر ہی آپ سے اتفاقیہ ملاقات کا دلچسپ حال بھی لکھا تھا۔

---

[1] مولانا غلام نبی زید فضلہٗ المعروف خطیب صاحب اچھڑیاں نے قاری محمد یعقوب صاحب کو متوجہ کیا کہ حضرت الاستاذ کو جامعہ اسلامیہ سے وابستہ کرنا چاہیئے، قاری محمد یعقوب صاحب دام اقبالہ نے مہتمم جامعہ کی توجہ اس طرف دلائی، یوں آپ کی باقاعدہ تقرری جامعہ اسلامیہ کے شعبہ تعلیم میں بھی اور مسجد میں بھی ہوئی (اس وقت مسجد ومدرسہ کی الگ الگ انتظامیہ تھی)

اصلاح وتزکیہ باطن

استفادہ باطنی اور سلسلہ بیعت

زمانہ طالب علمی میں آپ کا حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ، اور دارالعلوم دیوبند کے دیگر اکابر بزرگوں سے علمی استفادہ، اور ان کی صحبت ومجالست اٹھانے کا سلسلہ تو رہا، لیکن باضابطہ بیعت وارادت کا تعلق تعلیم سے فراغت کے چند سال بعد 1951 میں حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ سے ہوا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ سے تعلق

حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ، حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمہ اللہ کے جانشین تھے۔ [1]

رائے پور کی گدی کو حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کی وفات 1919ء سے 1962ء تک مسلسل چالیس سال سے زائد عرصہ، آپ نے آباد وشاداب، پررونق وپرنور رکھا، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے میں، خاص محبوبیت، مقبولیت، مرجعیت ومقربیت عطا فرمائی تھی، علماء

---

[1] قطب الارشاد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ کا انتقال ۱۵ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ بمطابق 16 اگست 1962ء بروز جمعرات کو ہوا، اپنے شیخ ومرشد حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمہ اللہ کے وصال ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۱۹ء کے بعد رائپور کی مسند ارشاد پر آپ متمکن ہوئے تھے، اس طرح لگ بھگ 45 سال (قمری) آپ نے خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائپور کو رونق بخشی اور امت کے عوام وخواص کو فیض یاب وسیراب کیا، تقسیم ملک کے بعد چونکہ خانقاہ رحیمیہ رائپور کے متوسلین ومریدین کا حلقہ پاکستان وہندوستان دونوں جگہ میں تقسیم ہوگیا تھا، اس لئے آپ کا سال کا نصف نصف حصہ تقریباً دونوں ملکوں میں گزرتا، تقسیم کے بعد بہت سے رمضان آپ کے پاکستان میں ہی گزرے، یہاں کے احباب ومتوسلین نے آپ سے پورا پورا فیض پایا، آپ کی وفات بھی یہاں لاہور میں ہوئی، سرگودھا میں مدفون ہیں۔

ومشائخ دیوبند ومظاہر العلوم کا، ہندو بیرون ہند کے اکابر اہل اللہ کا آپ کی ذات پر اعتماد، اور معاصر واصاغر علماء وصلحاء اور اہل دین کا آپ کی طرف رجوع، اور آپ کے دامن ہدایت سے وابستگی، سیاسی و دینی تحریکات کے بہت سے قائدین و کارکنان کا آپ کی سرپرستی و رہنمائی کو حرز جاں بنانا، یہ سب آپ کی جامعیت و قابلیت کے کرشمے تھے، مختلف ذوق ومشرب سے وابستہ دینی حلقے آپ کی ذات بابرکات پر متفق تھے، اور آپ سے وابستگی کو سرمایہ سعادت سمجھتے، اس آخری دور میں خطہ برصغیر میں رائے پور کی گدی سے امت کو بہت فیض پہنچا ہے،

فرنگی استبداد کے جابرانہ دور میں اس گدی کے متوسلین نے برصغیر کی آزادی کی جنگ میں بھی بھرپور دینی وسیاسی کردار ادا کیا۔

ابا جی آپ کے دست حق پرست پر 1951ء میں بیعت ہوئے، تقسیمِ ملک کے بعد حضرت رائپوری پاکستان تشریف لاتے، عموماً رمضان یہاں گزارتے، لاہور میں آپ کا قیام ہوتا تھا، لاہور میں رانا عبدالحمید آپ کے مجاز بیعت تھے، ان کی کوٹھی پر قیام ہوتا، سلسلہ کے متوسلین و مریدین کے لئے یہیں حضرت کی خدمت میں ٹھہرنے کا انتظام ہوتا تھا۔

ابا جی فرماتے تھے کہ میں چار پانچ سال تک ہر سال رمضان میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا، اور قیام کرتا رہا، رانا عبدالحمید فوت ہوئے، تو اس کے بعد حضرت کا قیام حاجی عبدالمتین کی کوٹھی پر ہوتا، یہ بھی حضرت کے متوسل تھے، ان کی کوٹھی لاہور اسٹیشن کے قریب تھی، یہاں بھی حضرت کی خدمت میں ابا جی کا قیام رہا۔

مولانا فخر الدین اور صوفی اقبال مہاجر مدنی رحمہما اللہ

حضرت رائپوری سے بیعت ہونے اور آپ کی صحبت ومجالست حاصل ہونے کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ لاہور میں مولانا فخر الدین ابا جی کے بریلی کے زمانہ تعلیم کے ہم سبق اور

ساتھی تھے۔ [1]

دورہ حدیث انہوں نے مظاہر العلوم سہارنپور میں پڑھا تھا، مال روڈ پر ان کی مسجد، مکان اور دوکان تھی، اباجی کا ان کے ہاں آنا جانا تھا، اس زمانے میں مولانا فخر الدین رحمہ اللہ کے ہاں ایک حجرہ میں مشہور بزرگ حضرت صوفی اقبال رحمہ اللہ بھی قیام کئے ہوئے تھے، اباجی کی صوفی صاحب سے بھی شناسائی تھی۔ [2]

ایک دفعہ جب مولانا فخر الدین صاحب کے ہاں جانا ہوا، تو صوفی صاحب سے ملاقات ہوئی، ان دنوں حضرت رائپوری لاہور تشریف لائے ہوئے تھے، اباجی فرماتے تھے کہ صوفی صاحب نے مجھے ترغیب دی

کہ حضرت رائپوری سے بیعت ہوجاؤ، چنانچہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور شرف بیعت حاصل کیا، پھر تاحیات حضرت رائپوری رحمہ اللہ کی لاہور آمد پر صحبت وتعلق کا سلسلہ قائم رہا، حضرت رائے پوری کی وفات بھی لاہور میں حاجی عبدالمتین کے مذکورہ مکان پر ہوئی تھی۔

مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری سے تجدید بیعت

حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ کا انتقال 1962ء میں ہوا۔

---

[1] مولانا فخر الدین بڑے نفیس الطبع، باوقار بزرگ تھے، بندہ راقم الحروف نے اباجی کے ہمراہ غالباً 85ء میں لاہور کے سفر میں آپ کی زیارت کی تھی، اسی زمانے میں ایک دفعہ آپ جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر بھی ہمارے ہاں تشریف لائے تھے، اس کے بعد جلد ہی آپ کی وفات ہوئی، بھرپور ہندوستانی وضع کا لباس وپوشاک آپ کے زیب تن ہوتا، دوپلّی ٹوپی، تنگ سفید پاجامہ، اس پر اسی وضع کا کرتہ آپ پہنتے، یہی لباس میرے نانا مرحوم کا بھی تھا، مولانا فخر الدین کو بچپن میں پہلے پہل اس لباس میں دیکھا، تو اپنے نانا کی سی وضع قطع اور لباس پوشاک ہونے کی وجہ سے مجھے آپ سے بڑی اپنائیت اور جاذبیت محسوس ہوئی۔

[2] صوفی اقبال نور اللہ مرقدہ مہاجر مدنی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کے مجاز بیعت تھے، عاشقانہ شان رکھتے تھے، اپنے شیخ کی محبت میں سرشار رہتے تھے، چند سال پہلے مدینہ منورہ میں وفات ہوئی، ٹیکسلا میں آپ کی یادگار، خانقاہ اقبالیہ ہے، جہاں آپ کے متوسلین ومریدین جمع ہوتے ہیں۔

مولانا عبدالعزیز رائپوری آپ کے جانشیں ہوئے۔ ا

اباجی فرماتے تھے کہ میں نے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بیعت کی تجدید کی درخواست کی، تو حضرت نے فرمایا کہ بیعت وہی کافی ہے، جو بڑے حضرت سے کی ہے، اور کچھ اذکار

ا قطب وقت حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز قدس سرہ، بڑے حضرت رائپوری شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ کے نواسے تھے، حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ کے جانشین اور آپ کے بعد خانقاہ عالیہ رائپور کے مسند نشین بنے، خود حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ کے بقول آپ کی باطنی نسبت کی تکمیل خود آپ کے نانا بڑے حضرت رائپوری کر گئے تھے، لیکن آپ حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ کی تمام مدت حیات میں حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ کے خادم بن کر ہی رہے، 45 سال کا پورا دور آپ نے حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ کی ذات میں اپنے آپ کو فنا کر کے گزار دیا، حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ نے زندگی کے آخری دور میں آپ کو اپنا جانشین نامزد کیا، آپ نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ کی وفات 1962ء سے تیس سال 1992ء تک خانقاہ رحیمیہ کا فیض برصغیر پاک و ہند میں نشر کیا۔

خانقاہ رحیمیہ ولی اللّٰہی نسبت کی حامل اور حضرت شیخ الہند کے سیاسی ذوق ومشرب کی حامل و وارث تھی، حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ کی ذات بابرکات سے اسی وسیع ذوق ومشرب کی آبیاری ہوتی رہی، اور آپ کے بعد شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بھی اسی سوچ وفکر کی آبیاری کی۔ 1992 میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کی میت رائپور (انڈیا) لے جائی گئی، اور وہاں تدفین ہوئی۔

مولانا سعید احمد رائپوری بانی وسرپرست تنظیم فکر ولی اللّٰہی آپ کے فرزند اور آپ کے جانشین تھے، تنظیم فکر ولی اللٰہی کی مخصوص چھاپ اور فکر کی وجہ سے آپ کی شخصیت متنازعہ فیہ ہوگئی تھی، پچھلے سال 2012ء میں آپ کا انتقال ہوا، بندہ امجد نے پہلے پہل آپ کی زیارت 1985ء میں کی تھی، جب بندہ کو اباجی اپنے ہمراہ آپ کے والد اور اپنے شیخِ ثانی حضرت شاہ عبدالعزیز رائپوری رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے تھے، اس کے بعد 1995ء میں بندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، جب آپ مانسہرہ تشریف لائے تھے، اباجی کے ساتھ چونکہ سلسلہ کی نسبت سے آپ کی دیرینہ شناسائی وتعلق تھا، اس لئے بندہ پر بہت زیادہ شفقت فرمائی، آپ نے بندہ سے فرمایا تھا کہ اپنے والد صاحب کی رائپوری نسبت کو تم نے قائم رکھنا ہے، اور فرماتے تھے کہ ہمارے ساتھ تعلق ومکاتبت رکھو، سلسلہ سے جڑے رہو، یہ بندہ کے درس نظامی کا چھٹا سال تھا، اور اسی سال بندہ نے حضرۃ الاستاذ مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم سے مشورہ ورہنمائی لے کر حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصر صاحب نور اللہ مرقدہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا تھا، بندہ کو حضرت جی نواب صاحب سے تعلق، محبت، عقیدت، وانسیت اس درجہ کی تھی بحمد اللہ، کہ کسی اور طرف دیکھنے کا خیال بھی ذہن میں نہیں آتا تھا، باقی آپ کا احترام اور عظمت مجھے ہمیشہ ملحوظ خاطر رہا، اگرچہ تنظیم فکر ولی اللّٰہی سے مجھے کبھی بھی مناسبت نہ ہوسکی، اور نہ میں ان کے طریقہ کار کو صحیح سمجھتا ہوں۔

تنظیم فکر ولی اللٰہی پر ہمارے شیخ حضرت مفتی محمد رضوان صاحب دام فضلہ کی مستقل کتاب ''مولانا عبیدُ اللہ سندھی کے افکار اور تنظیم فکرِ ولیُ اللّٰہی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ'' موجود ہے، تنظیم کے متعلق بندہ کی رائے بھی اس کتاب کے ضمیمہ میں شامل ہے۔

آپ نے تعلیم فرمائے، جس میں روزانہ 15 تسبیحات اسم ذات (اللہ اللہ اللہ) کی تھیں، سات تسبیحات نفی اثبات (لا الہ الا اللہ) کی، ایک تسبیح درود شریف اور ایک تیسرے کلمے کی تھی۔ [1]

---

[1] بندہ راقم نے ہمیشہ اباجی کو اذکار کا پابند پایا، آپ چلتے پھرتے بھی، اور بعض نمازوں کے بعد یکسو ہو کر بیٹھ کر بھی یہ اذکار کرتے، فجر سے قبل اور بعد ذکر اور تلاوت کا معمول تھا، 1985ء کی گرمیوں میں حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ مری آ کر بھوربن کے علاقہ میں قیام فرما ہوئے تھے، اور پورا موسمِ گرما آپ نے یہاں گزارنا تھا، مریدین ومتوسلینِ سلسلہ کے لئے یہاں قیام گاہ پر خانقاہی ترتیب رکھی گئی تھی، سلسلہ کے اعمال واشغال رات دن یہاں جاری رہتے، اباجی بھی زیارت وملاقات کے لئے تشریف لے گئے، تو مجھے بھی اپنے ہمراہ لے گئے، اس زمانہ میں بندہ درجہ حفظ میں زیرِ تعلیم تھا، اور سکول کی تعلیم پرائمری کر کے چھٹی جماعت کے دوران چھوڑ دی تھی، حضرت رائے پوری کی خدمت میں اباجی نے مجھے پیش کیا، اور میرے لئے حضرت سے خصوصی دعاء کرائی کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے دین کے لئے قبول فرمائے۔
اباجی کی طبیعت میں غیر معمولی لطافت ونرمی تھی، لیکن اولاد کی تربیت کی آپ کو بڑی فکر واہتمام رہتا تھا، زمانہ حفظ میں کچھ عرصہ سال ڈیڑھ سال مجھ پر آوارگی کا بھوت بھی سوار رہا، یعنی پڑھائی سے جی چرانا، موقع پا کر گھر سے غائب ہو جانا، بعض ساتھیوں کے ہمراہ راولپنڈی اسلام آباد کے مختلف تفریحی مقامات پر جانا، بازاروں میں گھومنا، اور طبیعت میں قدرے سرکشی کے جذبات پیدا ہونا، انہی ایام میں بندہ نے صدر میں فلیش مین (Flesh Man) ہوٹل کے قریب جوڈو کراٹے کے کلب میں داخلہ لیا تھا، اور کچھ جارحانہ مزاج بن گیا تھا۔
یہ صورتِ حال یقیناً اباجی کے لئے پریشان کن تھی، اباجی مجھے نصیحت کرتے، سمجھاتے، کبھی ڈانٹ دیتے، ہلکی پھلکی سرزنش کرتے، اساتذہ کے ذریعہ مجھے تنبیہ کرواتے، میں کئی دفعہ سنی ان سنی کر دیتا، مجھے اپنے اباجی کی فکرمندی اور اس معاملہ میں کڑھن کا صحیح اندازہ اس وقت ہوا، جب بعض راتوں میں رات کے کسی پہر آنکھ کھلنے پر میں نے دیکھا کہ اباجی مصلیٰ پر ہیں، اور رو رو کر اس نالائق کے لئے اللہ سے دعائیں مانگ رہے ہیں، میں اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرتا ہوں کہ اباجی کی یہ دعائیں اور فکرمندی اور اپنے بزرگوں کی خدمت میں مجھے لے جانا، اور دعائیں کرانا رائیگاں نہیں گئیں، میری طبیعت آزاد روی اور آوارہ گردی سے یکسر اچاٹ ہوتی چلی گئی، پھر بفضلہٖ تعالیٰ میں نے تعلیم کو ایک مشن اور ہدف بنا کر اپنی صلاحیتیں اور سارے اوقات اس کے لئے وقف کر دیئے، طبیعت میں ابھرتی جوانی کی جوامنگیں، ترنگیں، کڑی کے اُبال کی طرح اٹھتی ہی جا رہی تھیں، یکا یک اس اضطراب وتلاطم میں سکون وٹھہراؤ آ گیا۔ ؎

تھا جوش وخروش اتفاقی ساقی — اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
مے خانے نے رنگ وروپ بدلا ایسا — کہ مے کش مے کش رہا، نہ ساقی ساقی

دوبارہ مسندِ دعوت وارشاد پر

جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر میں

اگست 1983 میں اباجی کا جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی میں تعلق وتقرر ہوا۔ ۱

۱ قاری محمد یعقوب صاحب ہزاروی: پیدائش 1938ء، گاؤں اچھڑیاں (مانسہرہ) حفظ کی تکمیل شیخ الحدیث قاری سعید الرحمان صاحب رحمہ اللہ کے گاؤں ''بہودی'' علاقہ چھچھ، میں کی۔

والد کی وفات کے بعد آپ کی والدہ اس علاقے میں آبسی تھی، تجوید میں آپ کے دو استاد ہیں، قاری عبدالحلیم (جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک) جو کہ شاگرد تھے قاری عبدالخالق سہارنپوری مولف تیسیر التجوید کے (قاری عبدالخالق علم تجوید وقرائت کے شیخ وقت اور سند تھے) دوسرے استاد قاری محمد شریف صاحب (لاہور) تھے، وسطانی درجات تک فقہ کی نظامی کتب بھی آپ نے پڑھیں۔

آپ نے حفظ وقرائت کا فیض درج ذیل مقامات پر گذشتہ لگ بھگ پچپن سال کے عرصہ میں نشر کیا، دینہ حجائی روڈ، نزد جہلم، اچھڑیاں (1957ء) یعنی اپنے گاؤں میں، کراچی میں پلندری (آزاد کشمیر) کے دارالعلوم پلندری میں، اچھڑیاں کے قریب کورے میں، معہد القرآن الکریم مانسہرہ میں یوسف سیٹھی صاحب متوطن گوجرانوالہ کی تحریک پر 8 سال، شنکیاری (مانسہرہ) مدرسہ حسینیہ میں سیٹھی صاحب مرحوم ہی کی تجویز وتحریک پر 3 سال، جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر میں قاری سعید الرحمان صاحب کی منشاء پر 1972ء سے تا حال، 1978ء میں صدر ضیاء الحق مرحوم کے حسن انتخاب کے نتیجہ میں بوساطت قاری سعید الرحمان صاحب علیہ الرحمۃ آرمی ہاؤس کی مسجد میں خطابت، جس کا سلسلہ تا حال قائم ہے، آپ کا ایک علمی صدقہ جاریہ تیسیر القرآن کے نام سے ابتدائی قرآنی قاعدہ کی صورت میں بھی جاری ہے، یہ قاعدہ بچوں کے لئے آپ نے ستر کے عشرے میں لکھا، اور ملک بھر میں مقبول ہوا، ابھی تک متداول ہے، میں نے بھی بچپن میں یہی قاعدہ اچھڑیاں میں پڑھا، حفظ کے دور میں خود قاری صاحب موصوف مؤلف سے دوبارہ پڑھا۔ امجد۔

اباجی مرحوم سے قاری صاحب کا ابتدائی تعارف وملاقات فیصل آباد میں ستر کی دہائی میں ہوئی، جب قاری صاحب جماعت تبلیغ کے ساتھ چلہ میں چل رہے تھے، یہیں فیصل آباد میں ہی مفتی زین العابدین صاحب سے بھی آپ کی ملاقاتیں ہوئیں، جنہوں نے آپ کو حاجی عبدالوہاب صاحب سے ملایا، حاجی صاحب نے رائیونڈ میں شعبہ حفظ سنبھالنے کے لئے آپ کو دعوت دی، لیکن بوجوہ آپ نے عذر کیا، قاری صاحب کے صاحب زادے قاری محمد شریف (خطیب وامام مسجد قبا چکلالہ سکیم تھری) بندہ راقم الحروف کے درجہ حفظ اور کتب میں درجہ سادسہ تک ہم سبق رہے ہیں۔

قاری سعید الرحمٰن صاحب (مہتمم جامعہ اسلامیہ، راولپنڈی) [1]

فاضل دارالعلوم دیوبند ہونے کی وجہ سے آپ کی بہت قدر ومنزلت فرماتے، جامعہ میں درس نظامی کے اونچے درجات کے اسباق، ہدایہ، جلالین، مشکاۃ وغیرہ کی تدریس آپ کے سپرد کی تھی، ساتھ ساتھ جامعہ کی مسجد میں ظہر اور عصر کی نماز، بعد عصر درس حدیث اور بعد فجر درس قرآن کی خدمت آپ کے متعلق تھی۔

اس وقت جامعہ اسلامیہ میں الگ سے دارالافتاء کا نظم نہیں تھا، اس لئے شرعی مسائل میں رہنمائی کے لئے بھی لوگ آپ کی طرف ہی رجوع کرتے تھے، مسائل میں آپ کی طرف رجوع کا سلسلہ بہت زیادہ تھا، صبح سے رات تک بلاقید وقت واردین وسائلین آپ کی طرف آتے، اور آپ کی طرف بھیجے جاتے، کئی دفعہ دوپہر میں اور رات میں آپ کے آرام میں بھی اس کثرتِ مراجعت سے سخت خلل پیش آتا، شرعی مسائل میں آپ کا استحضار غیر معمولی تھا۔

---

[1] قاری سعید الرحمان رحمہ اللہ: پیدائش 1934ء گاؤں بہبودی، علاقہ چھچھ، ضلع اٹک، حفظ اور ابتدائی نظامی تعلیم مظاہر العلوم سہارنپور (انڈیا) میں حاصل کی، قیام پاکستان کے بعد، بقیہ تعلیم جامعہ خیر المدارس ملتان میں، تکمیل دارالعلوم ٹنڈوالٰہ یار (سندھ) میں، یہیں ٹنڈوالٰہ یار میں قاری عبدالمالک صاحب لکھنوی سے تجوید وقرائت بھی پڑھی، آپ کے والد ماجد مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری رحمہ اللہ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ، مظاہر العلوم سہارنپور، پھر خیر المدارس ملتان، پھر دارالعلوم ٹنڈوالٰہ یار کے شیخ الحدیث رہے، باپ تاریخ ساز عبقری شخصیت تھی، تو بیٹا بھی ''اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ'' کے مصداق ہوئے۔

1962ء راولپنڈی صدر میں جامعہ اسلامیہ کا قیام شیخ کاملپوری کی حیات میں اور آپ کی توجہات باطنی کے نتیجے میں عمل میں آیا، گذشتہ نصف صدی میں حضرت قاری سعید الرحمان صاحب رحمہ اللہ نے یہاں کے منبر ومحراب، یہاں کے مسند اہتمام، اور یہاں کے مسند حدیث سے دینی، ملی وسیاسی خدمات سرانجام دیں۔ وفات جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ، بمطابق جولائی 2009ء میں ہوئی۔

تصوف وطریقت میں حضرت قاری صاحب، مدنی وتھانوی دونوں خانوادوں کے ایک ایک شیخ وقت سے منسوب اوران کے خلیفہ مجاز تھے، یعنی مولانا فقیر محمد پشاوری رحمہ اللہ (خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ) اور شیخ سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (تلمیذ وشاگرد حضرت مدنی، خلیفہ شیخ التفسیر مولانا حسین علی رحمہ اللہ)

بندہ نے درسِ نظامی میں آپ سے اصولِ فقہ میں حسامی اور تفسیر جلالین پڑھی ہیں، آپ کے صاحب زادے، مولانا قاری محمد انس صاحب نائب مہتمم جامعہ اسلامیہ، بعض درجات میں بندہ کے ہم سبق رہے ہیں۔

تدریس کا سلسلہ 83ء تا 91ء باضابطہ رہا، 1991ء کے اواخر میں آپ بیمار ہوکر صاحب فراش ہوگئے، مانسہرہ اپنے گھر پر رہے، چھ ماہ کا عرصہ چارپائی پر گزرا، اس دوران آپ کا ''ہرنیوں'' کا آپریشن ہوا۔

اس بیماری کے بعد آپ زیادہ دیر بیٹھ کر پڑھانے سے قاصر ہوگئے، چنانچہ اس کے بعد جامعہ میں باضابطہ تدریس کی ذمہ داری تو آپ سے اٹھ گئی، البتہ اپنی طبیعت وسہولت کے مطابق متفرق اسباق مختلف حضرات کو پڑھانے کا سلسلہ آپ نے جاری رکھا، اور مسجد میں دونمازوں اور درس قرآن ودرس حدیث کا سلسلہ بھی جاری رہا، فجر کے بعد کا درس کا سلسلہ تو کچھ عرصہ کے بعد موقوف ہوگیا، اس عرصے میں آپ نے پورے قرآن مجید کا درس فجر میں مکمل کیا، درس میں تکمیل قرآن کے بعد بھی متفرق مقامات سے درسِ قرآن کا سلسلہ کافی عرصہ چلتا رہا، پھر اس کی جگہ فجر کے بعد سورہ یٰسین کی تلاوت کرنے کی ترتیب چلی، جبکہ درس حدیث کا سلسلہ تو 2009ء تک تقریباً چلتا رہا، درس حدیث کے سلسلے میں معارف الحدیث مکمل، الترغیب والترہیب، الادب المفرد، ریاض الصالحین، جیسی کتب ومجموعہ احادیث کا درس یکے بعد دیگرے ہوتا رہا۔

مئی 2007ء میں آپ شدید بیمار ہوئے، اور صاحبِ فراش ہوگئے، کافی دن آرام وعلاج کا سلسلہ چلتا رہا، اس کے بعد آپ نے جامعہ میں اپنے معمولات جاری رکھے، لیکن اب پہلی والی ہمت، قوت، طاقت نہیں تھی، محدود درجہ میں درس اور نماز کا سلسلہ رہا، 2009ء میں آپ پر بیماری کا ایک اور حملہ ہوا، کافی دن زیر علاج اور صاحب فراش رہے، اس کے بعد مزید حالت ابتر ہوگئی، اور معمولات تقریباً بالکل ہی چھوٹ گئے، کسی کسی دن بعد عصر درس دیتے، 2010ء میں آپ پر پھر بیماری کا حملہ ہوا، کئی مہینے صاحب فراش رہے، بیماریوں کے ان تمام مواقع پر ادارہ غفران میں بندہ امجد کے پاس ہی قیام رہتا تھا، صحت بحال ہونے پر جامعہ اسلامیہ تشریف لے جاتے۔

بیماری میں جب بھی ادارہ غفران منتقل ہو جاتے، تو جامعہ اسلامیہ کے حضرات بہت کمی محسوس کرتے، اور جدائی پر اداس ہو جاتے، چنانچہ ان ایام میں عیادت اور ملاقات کے لیے جامعہ کے اساتذۂ کرام، طلباءِ عظام، محلّہ کے حضرات متعلقین و متوسلین بہت کثرت سے تشریف لاتے۔

شیخ الجامعہ حضرت الاستاذ قاری سعید الرحمان صاحب رحمہ اللہ بہت فکرمند رہتے، آپ کی عیادت کے لیے قاری محمد یعقوب صاحب، قاری حبیب الرحمان صاحب کے ہمراہ ادارہ میں تشریف لاتے، جتنی دفعہ اباجی بیمار ہو کر ادارہ غفران میں قیام کرتے رہے، ہر دفعہ حضرت شیخ الجامعہ تادمِ حیات بمع قاری محمد یعقوب صاحب اور قاری حبیب الرحمان صاحب کے پابندی اور اہتمام والتزام کے ساتھ تشریف لائے، اور فون کر کے حال احوال بندہ سے معلوم کرتے، حضرت قاری سعید الرحمان صاحب رحمہ اللہ بہت ہی شفیق، کریم النفس، زندہ دل، اور خوش مزاج انسان تھے، بندہ راقم کی ذات پر آپ کی بہت شفقتیں رہی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، افسوس کہ حضرت قاری صاحب کی وفات اباجی کی حیات میں ہی جولائی 2009ء میں دل کے بائی پاس آپریشن کے بعد ہوئی، آپ کے بعد صاحب زادہ قاری عتیق الرحمان بھی بیماری میں عیادت کے لیے تشریف لائے۔

اس کے بعد کمزوری و اضمحلال روز بروز بڑھتا ہی رہا، دل کی تکلیف، پیشاب کی تکلیف، تمام جسم کے جوڑوں میں درد، بھوک کا قریب الختم ہونا وغیرہ مسائل آپ کو درپیش تھے، لیکن ہمت اور زندہ دلی سے وقت گزارتے۔

ہزاروں شاخ میں تقسیم کر ڈالا محبت نے مگر میرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

بیماریوں میں ابتلاء

دل کا عارضہ

1997 میں پہلی دفعہ آپ پر دل کا دورہ پڑا، مانسہرہ میں تھے، کافی دن ہسپتال میں داخل رہے، پھر گھر میں صاحب فراش رہے، اس کے بعد دل کی دوائیاں کھانے کا معمول بندھ گیا، 12، 13 سال تک آپ نے پابندی سے دل کی دوائیاں کھائیں، ماہ دو ماہ میں دل کا معائنہ اور ٹیسٹ بھی آپ کے ہوتے رہے، صدر میں ڈاکٹر نصیر صاحب دل کے معالجِ خصوصی (Specialist) تھے، وہ آپ کی تشخیص و معائنہ وقتاً فوقتاً اپنے کلینک میں کرتے۔

پیشاب کا عارضہ

1992ء میں آپ کو پیشاب کی رکاوٹ کی شدید تکلیف ہوئی، مانسہرہ میں آپ کا آپریشن ہوا۔

1999ء میں بھی آپ کو پیشاب کی شدید تکلیف ہوئی، اور علاج ہوا، دسمبر 2012ء میں تیسری دفعہ آپ کو پیشاب کا عارضہ شدید پیش آیا، ساتھ دل کی تکلیف بھی بڑھ گئی، جس میں بڑی تکلیف کا وقت آپ نے گزارا، مارچ 2013 میں آپ کا ''پراسٹیٹ'' کا آپریشن ہوا، لیکن اب تو یہ حال تھا کہ ؏

مرض بڑھتا ہی گیا جوں جوں دوا کی

تا آنکہ اپریل 2013ء میں 4 ماہ صاحب فراش و زیرِ علاج رہنے کے بعد آپ نے جان جانِ جاناں کے سپرد کر دی۔ ؎

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل....

آپ صاحبِ دل اور صاحبِ نظر ہستی تھے، ہر طرح کے حالات سے گزرے، سرد و گرم چشیدہ، جہاندیدہ انسان تھے، جامعہ اسلامیہ میں آپ کا حجرہ، عین مسجد کے پہلو میں محبت و معرفت کی دکان تھا، جہاں راہ گزر جذب وشوق کے راہ نوردوں کا ہجوم رہتا تھا، آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، آپ کے اس حجرہ میں دل والے آکر آپ کے ساتھ مجلس جماتے، ذوق وکیف کے خم لنڈھاتے، آپ اس مجلس کے میرِ مجلس ہوتے، کیا علماء، کیا طلباء، کیا عام متدین مسلمان، کیا ڈاکٹر، کیا وکیل، کیا پروفیسر، کیا فوجی آفیسر اور کیا تاجر و دکاندار، ہر شعبہ زندگی کے لوگوں پر اس حجرہ کا سحر چلتا، اور وہ اس کاخِ فقیری کی طرف کھنچے چلے آتے۔ ع

اس کاخِ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

یہ سب آنے والے خوشہ چین آپ کی بذلہ سنجی وخوش طبعی، لطائف وظرائف، ملفوظات وارشادات، تاریخی واقعات اور علمی نکات سے شادکام ہوتے، قاری حبیب الرحمٰن صاحب (شیخ التجوید، جامعہ اسلامیہ، راولپنڈی) اور استاد القراء قاری محمد یعقوب صاحب خاص اہتمام سے آپ کے ساتھ ہم مجلس ہوتے۔ [1]

---

[1] حضرت قاری حبیب الرحمان صاحب: متوطن موہڑہ، ننگریال، کلر سیداں، راولپنڈی، ابتدائی تعلیم پرائمری تک گاؤں میں حاصل کی، حفظ راولپنڈی میں دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار اور دار العلوم حنفیہ عثمانیہ، ورکشاپی محلّہ میں قاری محمد ایاز صاحب سے کیا، قاری ایاز صاحب موصوف قاری عبد الخالق سہارنپوری رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، تجوید وقرائت دار العلوم اسلامیہ لاہور میں الشیخ المقری عبد العزیز شوقی صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی، تین سال تک استاد سے فن میں کمال وتبحر حاصل کیا، اور اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہو کر سندِ فراغ حاصل کی، طریقہ تدریس بھی استاد شوقی صاحب رحمہ اللہ سے باقاعدہ سیکھا، درسِ نظامی وسطانی درجات تک دار العلوم اسلامیہ اور بقیہ درجات جامعہ اشرفیہ لاہور میں پڑھیں، اپنے استاد حضرت شوقی صاحب ہی کے انتخاب وحکم پر جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے، عملی تدریسی زندگی کا آغاز کیا، جہاں آپ شعبہ تجوید کے صدر مدرس رہے، دار العلوم اسلامیہ لاہور میں بھی اور اسی طرح دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار میں بھی تدریس کا شرف حاصل رہا، جو کہ دونوں آپ کی مادرِ علمی ہیں، 76ء حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کے حسبِ حکم راولپنڈی منتقل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میرا خیال ہے کہ ہمارے قومی شاعر اقبال مرحوم اس کہنہ سال بوڑھے کی پر رونق اور محبت واپنائیت بھری مجلسیں ملاحظہ کرتے، تو شاید یہ شکوہ نہ کرتے۔

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے نمناک ۔۔۔ نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

افسوس کے پیرِ مغاں اور ساقی کے کوچ کر جانے سے یہ مجلسِ دوشینہ سونی وویران ہوگئی۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل ۔۔۔ وہ دوکاں اپنی بڑھا گئے

تو عزمِ سفر کردی ورفتی زبرِ ما ۔۔۔ بستی کمرِ خویش وشکستی کمرِ ما

﴿ گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ ﴾

ہوئے، اور دارالعلوم تعلیم القرآن میں تجوید کا شعبہ سنبھالا، 92ء تک وہاں شعبہ تجوید وقرائت سے وابستہ رہے، اسی زمانے میں 80ء کے عشرے میں جامعہ اسلامیہ صدر کے لئے بھی قاری سعید الرحمان صاحب رحمہ اللہ نے آپ کی خدمات حاصل کیں، 92ء تک آپ صبح تعلیم القرآن راجہ بازار، اور بعد ظہر جامعہ اسلامیہ صدر میں تجوید وقرائت کی تعلیم دیتے رہے، 92ء کے بعد کچھ عرصہ صبح جامعہ شرعیہ بکری چوک اور ظہر بعد جامعہ اسلامیہ میں تدریس کا سلسلہ رہا، پھر مستقل کل وقتی طور پر حضرت قاری سعید الرحمان صاحب رحمہ اللہ نے آپ کی جامعہ اسلامیہ کے لئے خدمات حاصل کیں، اس وقت سے تاحال جامعہ اسلامیہ میں تجوید وقرائت کا فیض آپ کی ذات بابرکات والاصفات سے نشر ہوکر ملک (وبیرون ملک بھی) کے طول وعرض میں پھیل رہا ہے، بندہ امجد نے 1988ء و1989ء میں آپ کے پاس تجوید وقرائت کی تعلیم حاصل کی۔

سیرت و کردار کے درخشاں پہلو

سادگی، بے نفسی و فنائیت

آپ کی فطرت اور طبیعت میں بہت سادگی تھی، دنیاداری کے قرینے اور طور طریقے ایسا لگتا تھا کہ چھو کر بھی نہیں گزرے، اس لئے دنیاداری، صنعت وتجارت اور دوکانداری کے کسی شعبے میں جب بھی گئے، اس میں زیادہ دیر اور زیادہ دور تک نہیں چل پائے، دنیوی نقصان اٹھا کر لیکن کردار کی پونجی بچا کر جلدی لوٹ آئے۔

وفا کی دھوپ میں جب دور تک چل نہ پائے ہار مان لی اچھے کھلاڑیوں کی طرح

آپ کے بکثرت جاننے والے، اور متعلقین موقعہ بموقعہ اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے رہے کہ حضرت جی نے اتنی سادگی کے ساتھ اتنی لمبی زندگی کیسے گزاری ہے؟

مانسہرہ میں ایک دفعہ علاقہ کی ایک بڑی صاحب علم شخصیت کی آپ سے پہلی دفعہ ملاقات ہوئی، پھر ایک دو ملاقاتیں اور ہوئیں، تو بطور مزاح مجھے فرمانے لگے کہ کچھ لوگ دنیا میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو اصلاً آخرت کی طبیعت و مزاج والے ہوتے ہیں، دنیوی زندگی گزارنے والی طبیعت (یا مزاج) ان میں نہیں ہوتی، لیکن پھر بھی دنیا میں بھیج دیئے جاتے ہیں (کہ یہاں سے جیسے کیسے گزر کر آخرت میں جائیں) آپ کے والد صاحب میری نظر میں ایسے ہی آدمی ہیں، قصہ مختصر یہ کہ وہ عرفی و رسمی مجذوب نہ ہوتے ہوئے بھی مجذوب تھے، صاحب جذب تھے، کسی لطیفہ غیبی نے ان کو جذب کر رکھا تھا۔

دنیا مجھے کہتی ہے تیرا سودائی ہے اب میرا ہوش میں آنا تیری رسوائی ہے

تکلف، تصنع بناوٹ و نمائش، اپنی حیثیت منوانا، بتلانا یا جتلانا، اس فن سے وہ اتنی طویل زندگی میں آگاہ ہی نہ سکے ع یارب! مجھے جینے کی ادا کیوں نہیں آتی

تواضع وانکساری اور خوش خلقی

عاجزی اور تواضع بھی آپ کا طبعی وصف اور خُلق تھا، واردین وصادرین، واقفین اور غیر واقفین، یگانے وبیگانے سب کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے، مروت سے پیش آتے، اور اول مجلس یا اول ملاقات میں ہی ایسا طرزِ عمل اور رویہ ملنے والوں سے اختیار کرتے کہ ان کو آپ سے حجاب وتوحش نہ رہتا، آپ سے اول دفعہ ملنے والا بھی یوں سمجھتا، گویا میرے پرانے شناسا ہیں، اور برسوں سے مجھے جانتے ہیں، راہ چلتے چلتے بھی کوئی آپ سے ملتا، تو اسی اپنائیت کے ساتھ آپ ملتے، حال احوال پوچھتے، چلتے چلتے بھی کوئی خوش طبعی کی بات، کوئی لطیفہ، کوئی حسب موقعہ واقعہ آپ سنا دیتے، جس سے ملنے والے کی طبیعت باغ باغ ہو جاتی، اور مجلس کے حسب حال وحسب موقعہ کوئی تاریخی واقعہ، کوئی شرعی امر، کوئی دین کی بات، کوئی لطیفہ اور خوش طبعی کی بات کرنے میں آپ کو کمال حاصل تھا، خصوصاً جب مجلس اہل علم اور خصوصی احباب ومتعلقین کی ہوتی، آپ کی مجالس سے اہلِ ذوق، علم ودانش، تجربات ومعلومات اور دینی آگاہی کی سوغاتیں سمیٹتے کہ اپنی مجلسوں میں یہ موتی، آپ بکثرت بکھیرتے۔

جامعہ اسلامیہ صدر میں کوئی انتظامی یا تعلیمی میٹنگ اور مجلس ہوتی یا کوئی اور تقریب ہوتی، جس میں اساتذہ ومتعلقہ افراد جمع ہوتے، تو حضرت قاری سعید الرحمان صاحب علیہ الرحمۃ (مہتمم جامعہ) اور قاری محمد یعقوب صاحب زید مجدہٗ بطور خاص آپ کی شرکت وشمولیت کا اہتمام کراتے، آپ کی شگفتہ باتوں اور عمدہ واقعات سے پوری مجلس کشت زعفران بنی رہتی، اس چیز کے عادی اہل مجلس آپ کے بغیر ان مجالس کو پھیکی وبے مزہ محسوس کرتے، لیکن عمر کی آخری دھائی میں ضعف واضحلال، اور بیماریوں کے ہجوم کی وجہ سے آپ کی اس نوع کی مجلسی دلچسپیاں نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھیں۔

بلبل کی، چمن میں ہم زبانی چھوڑی　　　بزم شعراء میں شعر خوانی چھوڑ دی

جب سے اے دل زندہ! تو نے ہمیں چھوڑا ہم نے بھی تیری رام کہانی چھوڑی

نرم دلی اور جذبہ شفقت و خیر خواہی

آپ کی طبیعت میں رقت اور نرمی بہت تھی، ویسے تو آپ طبعی طور پر ہی نرم دل اور نرم خو تھے، البتہ ایک عنصر اس غیر معمولی رقت اور نرمی کا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بچپن سے لے کر جوانی تک جن کھٹن مراحل اور مجاہدوں بھرے حالات، سے آپ گزرے، آلام ومصائب کی جو گھاٹیاں سرکیں، بقول شخصے ؎

گزرے ہیں کائنات کے ہر امتحاں سے ہم تو لے گئے ہیں چمن میں

بہار وخزاں سے ہم اس سے آپ کی نرم طبیعت میں مزید نرمی اور سوز وگداز پیدا ہوا، دردِ دل کی حالت آپ کی مستقل ہوگئی ؎

شکر ہے کہ دردِ دل مستقل ہوگیا اب تو میرا دل بھی دل ہوگیا

کسی کو مصیبت اور تکلیف میں دیکھتے، تو آپ بے چین ہوجاتے، پرسشِ احوال، ہمدردی اور دلجوئی کا موقعہ ہوتا تو وہ کرتے، ورنہ بعد تک اس کے لئے اللہ سے دعا کرتے، کہ اسے تکلیف کی حالت سے نکالے، اور ایسے مواقع پر بہت الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرتے، جامعہ اسلامیہ میں غریب و نادار، پردیسی ومسافر طلبہ بھی بکثرت ہوتے، اباجی ایسے طلبہ کا بہت خیال رکھتے، ان کی ضروریات وحاجات پوری کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتے، طلبہ بھی آپ کو اپنا مربی وغم گسار سمجھتے، اپنے تقاضے آپ کے پاس لے کر آتے، آپ اپنے مخصوص احباب، دوکانداروں اور تاجر حضرات سے ان کی اعانت کرواتے، اور اپنے پاس بھی اس حوالے سے انتظام رکھتے، اور حسب موقعہ ان کی حاجت برآری کرتے۔

دردِ دل اور ادبی ذوق

مشکلات ومصائب والے احوال مطالعہ سے بھی گزرتے یا کسی سے سنتے تو بھی آپ پر بہت

اثر ہوتا، کئی مرتبہ قرآن مجید یا حدیث کا درس دیتے ہوئے درس میں اس قسم کا کوئی واقعہ آتا، تو آبدیدہ ہوجاتے، اور درس جاری نہ رکھ سکتے، آپ کی آواز رندھ جاتی۔

پنجابی کے اہلِ دل واہل درد صوفی شعراء کا درد ومحبت بھرا کلام، اشعار آپ کو بکثرت یاد تھے، اور اس کے پڑھنے کا آپ کو خاص ذوق تھا، بابا فرید کے دوھڑے، وارث شاہ کی ہیر، بابا بلھے شاہ کا کلام اور غلام رسول کی چٹھیاں، پنجابی کے ان جواہر پاروں سے میرے کان بہت بچپن سے ہی اباجی سے ان کے تذکرے، اور کلام سن سن کر مانوس وآشنا ہوتے رہے۔

غلام رسول کی چٹھیاں اباجی کو بہت مرغوب تھیں، غلام رسول کا تذکرہ کرتے تو وجد میں آجاتے، اور چٹھیوں (خطوط، مکاتیب) پر مشتمل درد وتاثیر بھرے یہ اشعار پڑھنے لگتے، واقعی اس کلام میں بڑا درد، اثر اور سوز وسُر ہے۔

کئی دفعہ اپنے حجرے میں تنہائی میں یا مخصوص احباب کی مجلس میں یہ کلام پرسوز لہجے میں پڑھتے، تو پورا ماحول سوگوار ہوجاتا، اور سننے والوں پر خاص کیفیت طاری ہوتی، آپ کے بعض مخصوص مصاحبین اور متعلقین خصوصاً شیخ القراء حضرت الاستاد قاری محمد یعقوب صاحب دامت برکاتہم اس غرض سے خاص طور پر آپ کے پاس حاضر وہم مجلس ہوتے، اور ترغیب دیکر آمادہ کرکے آپ سے فرمائشی کلام پنجابی کا یا فارسی کا سنتے، اردو وفارسی ادب سے بھی آپ کو خاص شغف تھا، فارسی کے باکمال مشاہیر مثل حافظ شیراز، سعدی، نظامی گنجوی، فردوسی، مولائے رومی وغیرھم کے بکثرت اشعار آپ کو مستحضر تھے، اور موقعہ کی مناسبت سے پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ یہ شعر اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے، آپ کی رحلت وجدائی کا قاری محمد یعقوب صاحب نے غیر معمولی اثر لیا، کئی دفعہ فون پر بھی میرے ساتھ اباجی کا تذکرہ چھیڑ دیتے، اور ادارہ غفران میں بھی تشریف لاکر بندہ پر شفقت فرماتے، اور ساتھ ساتھ اپنی بے چینی کا ذکر کرتے کہ رات یا دن میں کسی بھی وقت مولوی صاحب کی یاد آجاتی ہے تو بے قراری اور بے چینی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے۔

حضرت قاری صاحب موصوف کا رات کے آخری پہر تہجد میں حدر و ترتیل کے ساتھ قرآن مجید قدرے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کا معمول رہا ہے ؎

رات کے آخری لمحوں میں ایک ایسی دولت بٹتی ہے

جو جاگت ہے، سو پاوت ہے، جو سووت ہے، سو کھووت ہے

اس وقت میں بعض دفعہ ابا جی قاری صاحب کے حجرے میں چلے جاتے، اور رات کی عبادت کے بعد پھر ان حضرات کا قہوے کا دور چلتا اور مجلس جمتی، ایسی ہی کسی مجلس میں ابا جی کا کلام قاری صاحب نے ریکارڈ کیا تھا، پچھلے دنوں ایک دفعہ حضرت قاری صاحب ادارہ غفران تشریف لائے، تو مجھے یہ ریکارڈنگ سنوائی، میں نے اپنے موبائل فون میں اس کی کاپی کی۔

بزرگانِ سلف کے احوال سے دلچسپی

ع قصہ ایام سلف کا سنا کہ تڑپائے مجھے

کہنے والوں نے آپ کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہا، واقعی آپ ایسے ہی تھے، آپ کا حافظہ علوم و معلومات کا حالات و واقعات کا، حکایات و روایات کا بے بہا خزانہ اور گنجِ گراں مایہ تھا۔

خصوصاً سلف صالحین، بزرگانِ دین کے احوال و واقعات سناتے تو وجد میں آ جاتے، آپ کا حلقۂ تعلیم و تدریس سالہا سال آپ کے حجرے کے سامنے لگتا رہا، اور حجرے میں بھی ہر وقت احباب کی، لوگوں کی آمد و رفت رہتی، مجلسیں برپا رہتیں، میرا بچپن اور تعلیمی دور اسی ماحول میں گزرا، یہی تذکرے سن سن کر میں بڑا ہوا، میں آج غور کرتا ہوں، تو ایک خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ حفظ کے دور میں جبکہ درسی علوم، تاریخ و ادب، سیرت و سوانح وغیرہ کے مطالعے کا مرحلہ ابھی کہیں دور تھا، لیکن حافظ شیرازی، سعدی، مولائے رومی، امام غزالی، امام ابوحنیفہ، امام بخاری، دیگر بہت سے فقہاء و محدثین، ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، ابنِ تیمیہ، حافظ ابنِ قیم، حضرات جنید رحمہ اللہ و بایزید رحمہ اللہ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت نانوتوی، حضرت

گنگوہی، حضرت تھانوی، حضرت مدنی اور دیگر اکابر علماء وصوفیاء کی سیرت وسوانح اور حالات وواقعات، اور برصغیر کے چشتی ونقشبندی مشائخ، حضرت مجدد الف ثانی، اکبر بادشاہ کا دور، مغلیہ عہد کے تمدنی جلوے اور ثقافتی مظاہرے، 1857ء کی جنگِ آزادی، فتنہ تاتار، اور مشاجراتِ صحابہ کے اہلِ سنت کے مذہب کے مطابق واقعات کی تشریح اور وضاحتیں یہ سب تذکرے اباجی سے رات دن بار بار، ہم مجلسوں میں، دروس میں، مباحثوں میں سنتے رہے، یہ باتیں یہ تذکرے ہمارے لیے بدیہی چیزیں بن چکی تھیں۔

اس سے ایک ذوق ومزاج کا سانچہ میرا بنتا گیا، جس نے بعد کے پورے تعلیمی دور میں مجھے غیر معمولی فائدہ دیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہی تذکرے سن سن کر مطالعہ اور حالات و واقعات کی تحقیق وکھوج لگانے کا غیر معمولی جذبہ بھی پیدا ہوا، جس سے اگرچہ میں کماحقہ فائدہ نہ اٹھا سکا، لیکن یہ ایک بڑی چیز تھی، میں محسوس کرتا ہوں کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے تذکرے اباجی سے سن کر مجھے حضرت کے مواعظ وملفوظات کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا، اس دور میں حضرت کے مواعظ وملفوظات، جن کی دسیوں جلدیں اباجی کے پاس بڑے سلیقے سے جلد بندی ہو، کر رکھی تھیں، میں نے وہ بڑے ذوق وشوق سے پڑھیں۔

حضرت تھانوی کے مواعظ میں معلومات کا، شریعت کے اسرار ورموز کا اور لطائف وظرائف کا خزانہ بھرا ہوتھا، یہ سب مجھے بہت مرغوبِ خاطر رہا۔

ترا ادام از منزلِ مقصود نشاں گر من نہ رسیدم شاید تو رسی

مروت ولحاظ

آپ کی طبیعت میں ایک طرف تو استغناء اور شانِ بے نیازی تھی، لیکن یہ صرف ایسے مواقع اور ایسے حضرات کے لئے تھا، جو دنیا داری کا چشمہ لگا کر دوسروں کے قد کاٹھ ناپتے ہیں، اور اپنے جاہ ومال اور عہدہ ومنصب کے پندار میں جا وبے جا، بد دماغی اور تکبر واتراہٹ کا مظاہرہ

کرتے ہیں، ایسے مواقع کے لئے تو آپ کا ذوق ومشرب یہ تھا ؎

بیٹھے ہیں اپنے اللہ کے سہارے   سب سے منہ موڑے، سب پہ لات مارے

باقی حالات واوقات اور معاملات میں آپ کی اصل سرشت مروت ولحاظ اور برداشت وچشم پوشی کی تھی کہ آپ جس دردِ دل کے حامل تھے اس کا لازمی تقاضا بھی یہی تھا۔

خلق خدا کا لحاظ اور ان کے ساتھ شفقت ومروت کے برتاؤ کے متعلق اپنے ذوق کا اظہار آپ بعض دفعہ یہ پنجابی شعر پڑھ کر کرتے کہ ؎

مسجد ڈھادے، مندر ڈھادے، ڈھادے جو کچھ ڈھیندا
پر کسی دا دل نہ ڈھاویں رب دلاں وچ رہندا

تضیعِ اوقات سے پرہیز

وقت کی آپ کے ہاں بہت قدر تھی، ہمہ وقت اپنے آپ کو مشغول رکھتے تھے، کسی کو فضولیات میں مشغول دیکھتے، اور تضیع اوقات میں مبتلا پاتے تو وہ کوئی شاگرد یا طالب علم ہوتا، تو اُسے نصیحت کرتے، سمجھاتے، روک ٹوک کرتے، اور وقت کی قدر و قیمت کے متعلق واقعات، امثال، علماء وصلحاء، اور اسلافِ امت کی حکایات اس باب میں ان کے سامنے بیان کرتے۔

جامعہ اسلامیہ کا تیس سالہ دور آپ کے بڑھاپے کا دور ہے، یہی دور آپ کا میرے سامنے رہا ہے، اور بندہ کی شعوری زندگی کے ملاحظے سے گزرا ہے، آپ کے معمولات، اس دور میں (بیماری کی وجہ سے صاحبِ فراش ہونے کے علاوہ اور عمر کے آخری چند سالوں کے علاوہ) یہ رہے ہیں:

درس وتدریس، مطالعہ کتب، مسجد میں درس قرآن ودرسِ حدیث کی مجالس، اپنے حُجرے میں یا مسجد میں مفید علمی ودینی مجالس (عام متعلقین واحباب اور واردین و صادرین کے ساتھ) ذکر، تلاوت، کپڑوں کو ادھیڑنا، سینا، ان میں پیوند لگانا، اور

کپڑے کی کوئی مفید قابلِ استعمال چیز بنانا۔

کپڑوں کی اُدھیڑ بُن

کپڑوں کی اُدھیڑ بن، اور ان کے سینے پرونے کی بات، شاید بہت سوں کے لئے باعثِ حیرت ہو، لیکن جن حضرات کی آپ سے میل ملاقات رہی ہے، وہ جانتے ہیں کہ سینے پرونے کا مشغلہ بھی، آپ کا تقریباً، مستقل مشغلہ تھا، جس سے شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہو (اگر زیادہ احتیاط کی جائے، تو) شاید کوئی ہفتہ اس معمول سے خالی نہ جاتا ہوگا، اپنے پہننے والے کپڑے، جرابیں، چادر، تھیلا، کوئی بھی ضرورت واستعمال والا کپڑا، اس میں پھٹن ظاہر ہوتی، وہ سیتے، اور اسے پیوند لگاتے، ورنہ کوئی تھیلا، رومال وغیرہ قینچی سے کپڑا کاٹ کر، بنا سنوار اکر اپنے ہاتھ سے، سوئی دھاگے سے سیتے، سوئی سے بڑی، نفیس، باریک اور مضبوط سلائی آپ کرتے ہوتے تھے، جس میں خوبی وصفائی اور سلیقہ مندی، نمایاں ہوتی۔

آپ ہمیشہ سفر وحضر میں تھیلا اپنے ہاتھ میں رکھتے، جس میں ایک دو قلم، ڈائری (بیاض) کوئی کتاب، سوئی، دھاگہ، چھوٹی قینچی، چھوٹا سا چاقو، خوشبو، سرمہ دانی، مٹھائی، گُڑ بسکٹ، ٹافیاں وغیرہ موجود ہوتے۔

بندہ کے لئے اور گھر کے دوسرے افراد کے لئے کئی دفعہ، تھیلی، دستی رومال، یا کوئی اور کپڑے کی مفید چیز بنا کر دیتے، بڑی توجہ اور محنت سے تھیلی سی لی، تھوڑا تھوڑا کئی دنوں میں، شاید بعض دفعہ مہینوں میں، اور مجھے، یا کسی اور کو عنایت کی کہ لو بھئی! بڑا اچھا تھیلا سل گیا، اس میں کتاب وغیرہ رکھ لیا کرو، اور آتے جاتے سفر میں ساتھ رکھ لیا کرو، اور بعض دفعہ اپنی نشست پر بیٹھے، سینے پرونے میں مشغول ہیں، کوئی بے تکلف بزرگ، صاحب علم ملنے آئے، پوچھتے ہیں، کہ حضرت یہ آپ نے کیا مشغولیت پالی ہوئی ہے، آپ مسکراتے اور فرماتے ؎

بے کار مباش کچھ تو کیا کر　　　اور نہیں تو کپڑے ہی اُدھیڑ کر سیا کر

جہدِ مسلسل

بے کار رہنا آپ کے لیے سخت دشوار تھا، مسلسل کسی نہ کسی عمل میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے، بیماری اور معذوری میں اس ہمیشہ کی عادت اور معمول کی وجہ سے بہت تنگ ہوتے، لیٹے لیٹے یا سہارے سے بیٹھے ذکر، ورد، تلاوت وغیرہ کرتے، اٹھنے چلنے پھرنے اور کسی کام میں ڈالنے سے عاجز ہو لینے پر سخت پریشان ہو جاتے، اور کئی دفعہ چڑ جاتے ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

علمی انہماک اور کثرت مطالعہ

تعلیم و تعلم، آپ کا ہمیشہ اوڑھنا، بچھونا رہا، مطالعہ باضابطہ و بالاستیعاب مطالعہ آپ کے معمولاتِ یومیہ، بلکہ روزانہ کی غذا (روح کی غذا) رہی ہے، آخر عمر میں امراض واسقام کے ہجوم، کمزوری اور ضعف نے دیگر مشاغل کے ساتھ یہ معمول بھی آپ سے چھڑایا، خصوصاً عمر کے آخری چار پانچ سالوں میں جب آپ کی بصارت بہت معمولی رہ گئی تھی، آپ کے ہاں کتب کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا، گویا کہ ایک چھوٹی سی ذاتی لائبریری تھی، یہ کتب آپ کی مدت العمر کی علمی جمع پونجی تھی۔

کثرت اور وسعتِ مطالعہ ہی کا یہ ثمرہ تھا، اور علوم وفنون سے فطری مناسبت ہونے کا اثر تھا کہ ہر علم وفن کی معلومات آپ کو مستحضر تھیں، کسی بھی مجلس میں آپ شریک ہوتے، کوئی سلسلہ کلام شروع ہو جاتا، کوئی موضوع، گفتگو چھڑ جاتا، تو آپ کی طبیعت حاضر ہو جاتی، معلومات کا انبار لگ جاتا، آپ کی زبان سے لطائف وظرائف کا، حکایات و امثال کا، علمی نکات و توجیہات کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

منطق، فلسفہ، فنونِ عربیت (صرف ونحو، لغت و بلاغت) تاریخ وادب، قصص وحکایات، تفسیری نکات، عربی و فارسی اور اردو اشعار، مشاہیر اسلام اور علماء وصوفیاء کے کمالات،

مکالمات، ارشادات و ملفوظات، سلاطینِ اسلام کے کارنامے، اور ان کے رزم و بزم کے واقعات، تاریخ کے مختلف ادوار میں اسلامی سلطنتوں، اور معاشروں کی تہذیبی و تمدنی سرگرمیاں، کلچر و ثقافت کے مختلف گوشے اور تاریخی عجائبات، علم و فن اور لٹریچر و ادبیات کی ان تمام شاخوں میں آپ کی زبان سے معلومات کے چشمے اُبلتے، پھوٹتے، اور اُمڈ اُمڈ کر نشر ہوتے، جن میں سے بعض باتیں یا آپ کے بعض تجزیے، اور اخذ کردہ نتائج تحقیقی اور درایتی پیمانے سے کمزور بھی ہوتے ہوں گے، جس کو علمی زبان میں رطب و یابس کہہ لیں۔
لیکن اس کی مقدار (اور تناسب) آپ کے مجموعی کلام میں بہت کم تھی، بایں ہمہ یہ سب کچھ معلومات، آپ کے قوت حافظہ اور ملکہ یادداشت کے آثار و نشان تھے، اور آپ کے صاحبِ ذوق ہونے کے گواہ۔

اپنی طول، طویل زندگی میں آپ کا مطالعہ کن کن علمی مآخذ تک وسیع رہا، اور وسیع و عریض اسلامی لائبریری سے آپ نے کتنی گہرائی تک خوشہ چینی کی، اس کا اندازہ بندہ کو کئی دفعہ اپنے علمی مشاغل میں امہات الکتب، اور علمی مآخذ کی تحقیق و مراجعت سے ہوا۔
تفسیر، شروحاتِ حدیث، فقہ و فقہاء، فن نقد و جرح، عربی ادب، تاریخ، لغت اور بلاغت کی بہت سی ایسی باتیں اور نادر نکات، ان سب فنوں اور علوم کی امہات الکتب میں میرے مطالعہ سے گزرتی رہیں، جو مجھے بچپن سے آپ کی مجالس میں سننے کو ملتی رہیں، اور کئی دفعہ خوش گوار حیرت اس امر پر ہوئی کہ آپ نے جس طرح جس پسِ منظر میں کوئی وقائع نگاری کی تھی، ہو بہو ویسے ہی متعلقہ علم و فن کے لٹریچر میں مجھے ملا، جبکہ آپ کے بقول، آپ کے مطالعہ سے وہ بات 30، 40 یا 50 سال پہلے گزری تھی، آپ کے مخصوص احباب، اہلِ علم وقائع نگاری اور منظر نگاری کو، آپ کا کمال قرار دیتے تھے، کہ جب کوئی تاریخی واقعہ، مشاہیر کی سیرت و سوانح میں سے کوئی حال نقل اور بیان کرتے ہیں، تو اس موقعہ کا پورا نقشہ کھینچ دیتے ہیں، اور واقعہ کی پوری تصویر سامنے رکھ دیتے ہیں۔ کتب کا جو وسیع ذخیرہ آپ کے پاس تھا، جس میں مختلف

علوم وفنون پر اور علم وفن کے مختلف گوشوں پر مشتمل لٹریچر و کتب جمع تھیں، اس میں بہت سی کتابیں آپ کے زمانہ طالب علمی کی خرید کردہ تھیں۔

فرماتے تھے، زمانہ طالب علمی میں بعض مدارس میں ہمیں ماہانہ نقد وظیفہ بھی ملتا تھا، جس میں ہم اپنے کھانے کا انتظام کرتے، اس رقم سے کچھ رقم اپنی مطلوبہ کتب کی خرید کے لئے، میں پسِ انداز کرکے، بچا کر کتب خریدتا، ایسی کئی کتابوں کی اپنے ذخیرہ کتب میں آپ نشاندھی بھی فرماتے کہ یہ فلاں کتاب، فلاں موقعہ پر، یا فلاں رقم سے، اور اتنی قیمت پر میں نے دلّی میں یا بریلی میں یا دیوبند میں خریدی، وغیرہ وغیرہ۔

سلیقہ ونفاست

آپ کی طبعی سادگی، سلیقہ مندی (خوش ذوقی) ونفاست سے مزین تھی، سادگی کے ساتھ سلیقہ ونفاست جمع ہو تو سونے پر سہاگہ ہوتی ہے، ورنہ سادگی سادگی تو کیا ہوتی، کئی دفعہ اچھا خاصا ''پھوہڑپن'' بن جاتی ہے۔

نفاست وخوش ذوقی آپ کے سب امور وعادات میں جھلکتی اور احوال واطوار سے چھلکتی تھی، اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے، اوڑھنے بچھونے، سینے پرونے، کھانے پینے اور پکانے، سونے جاگنے، پڑھنے، پڑھانے، لکھنے لکھانے وغیرہ امورِ یومیہ میں بڑی خوش ذوقی وخوش سلیقگی برتتے تھے، جب تک صحت اچھی تھی، معمولاتِ یومیہ باقاعدگی وپابندی کے ساتھ اور لگے بندے اوقات کی رعایت کے ساتھ سرانجام دیتے تھے، قہوہ، چائے اور بعض کھانے، بنانے کا بھی اور استعمال کرنے کا بھی بڑا عمدہ ونفیس ذوق تھا، یاسمین قہوہ (چائنہ کا یاسمین ٹن پیک) آپ کا پسندیدہ مشروب رہا ہے، دم دے کر کے بناتے، چائے بھی خاص طریقے سے بناتے، بلکہ کسی زمانے میں ایک دیسی نسخہ کے مطابق چائے کی پتی کے متبادل ایک پتی بنائی تھی، اس کی چائے بناتے، فرماتے اس کے مضر اثرات نہیں ہیں، چائے میں میٹھا خوب تیز استعمال

کرتے، اور تیز گرم چائے پیتے، فرماتے تھے، چائے کے جام (پیالی) میں تین صفتیں ہونی چاہئیں، ورنہ وہ چائے نہیں، لبریز ہو، لب دوز ہو، اور لب سوز ہو، یعنی پیالی لبالب بھری ہوئی ہو، میٹھی اتنی ہو کہ ہونٹ چپک چپک جاتے ہوں اور گرم اتنی ہو کہ لب جلنے لگیں، فرماتے تھے فیصل آباد قیام کے زمانے میں میرے لئے چائے کا کپ چائے پکنے پر چولہے سے اُترنے سے پہلے ہی بھرا جاتا تھا، چولہے سے اترنے پر اس کی گرمائش میرے ذوق کی رُو سے کم ہوجاتی تھی۔

سردیوں کے شروع میں زمانہ صحت میں تقریباً ہر سال، مختلف حلویات، کھجوروں کا حلوہ، گاجروں کا حلوہ، کدو کا حلوہ، اس طرح کی چیزیں بڑی لاگت، محنت اور نفاست سے تیار کرتے، اور یہ چیزیں عموماً سوغات کی حیثیت سے بناتے کہ تھوڑا تھوڑا کرکے دوست احباب کی خدمت میں پیش کرتے، کچھ اپنے لئے چھوڑتے، اس طرح کی میٹھی ڈشوں میں ایک تو دیسی گھی ڈالنے کا اہتمام رکھتے، دوسرے ان میں مغزیات وغیرہ کافی ڈالتے، خصوصاً کشمش، یہ سب بڑی لذیذ وخوش ذائقہ مرکبات وحلویات آپ کی یادگار شمار ہوتی ہیں، میٹھا بہت کثرت سے کھاتے، لیکن بحمداللہ آپ کی شوگر آخری عمر تک کنٹرول رہی ہے، شوگر کا عارضہ آپ کو پیش نہیں آیا، فرماتے تھے، اس کا راز شائد میرے پیدل چلنے کا مستقل معمول ہے، جو ہر دور میں رہا ہے، اور بہت زیادہ رہا ہے۔

طہارت ونظافت

جسم ولباس کی پاکی وطہارت کے معاملے میں طبیعت بہت حساس تھی، معمولی چھینٹے بھی کہیں سے پڑجاتے، تو آپ کو بڑی تشویش لاحق ہوتی کہ کپڑے یا جسم ناپاک نہ ہوگئے ہوں، وضو بہت احتیاط سے کرتے، آب دست (استنجا) میں تو اور زیادہ احتیاط کرتے، اور کافی پانی استعمال ہوجاتا، آخری عمر میں پیشاب بار بار آنے کا عارضہ آپ کو لاحق رہا، لیکن شروع سے

بندھا ہوا یہ معمول آخر تک جاری رہا کہ استنجا دو مرحلوں میں کرتے، پہلے مٹی کے ڈھیلوں یا ٹشو پیپر سے استنجا کرتے، پھر پانچ دس منٹ کا وقفہ رکھ کر دوبارہ استنجا کرتے، یہ عمل نظافت کے درجے میں ایک اچھا عمل ہے، ہمارے اس زمانے میں عام طور پر رائج نہیں رہا، خصوصاً شہری اور مصروف زندگی میں ایسا معمول نباہنا بڑا مشکل ہے، لیکن آپ کا یہ زندگی بھر کا معمول رہا ہے، بہرحال اس قسم کی چیزیں اپنے اپنے ذوق اور مزاج پر مبنی ہوتی ہیں، ان میں کوئی تنگی اور سختی نہیں ہے۔ ع

وَلِلنَّاسِ فِيْمَا يَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ

حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام

نماز کی ادائیگی کا اہتمام اور متعلقین کو نماز کی تاکید آپ کے ہاں بہت زیادہ تھی، اس کے بہت زیادہ تاکید آپ کے ہاں حقوق العباد کی ادائیگی کی رہی۔

آخری عمر میں اس کیفیت کا بہت غلبہ ہوگیا تھا کہ اپنی ملکیت میں کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے، فرماتے تھے کہ اپنے رب کے ساتھ بھی اور مخلوق کے ساتھ بھی، میں معاملات صاف رکھنا چاہتا ہوں، کسی کا کوئی حق میرے ذمہ نہ رہے۔

مدرسہ یا مسجد کی جو رقم آپ کے پاس ہوتی، اس کا کاپی میں بھی پورا حساب رکھتے، اور یہ رقم الگ کاغذ میں لپیٹ کر اور کاغذ پر متعلقہ تفصیل لکھ کر رکھتے، اور جلد سے جلد یہ رقم اپنے پاس سے الگ کر کے مدرسہ یا مسجد کے فنڈ میں جمع کرانے کا اہتمام کرتے۔

ہر دفعہ بیماری میں طبیعت ناساز ہونا شروع ہوتی، تو فوراً مجھے بلوا لیتے، اور جیب یا آپ کے دراز میں کوئی رقم یا امانت رکھی ہوتی، تو اس کی تفصیل بتا دیتے، اور لکھ لیتے یا لکھوا دیتے۔

پٹھانکوٹ میں آپ کے والد کی جو زمین تھی، جس کے بدلے پاکستان فیصل آباد میں چک 61 میں آپ کو زمین الاٹ ہوئی، جو بعد میں آپ نے بیچ دی تھی، تو یہ خیال دل میں بیٹھ گیا

کہ جب ان کے والد کے حصہ میں یہ زمین آئی، تو اس میں ان کی بہنوں کا حق بھی تھا، جن کو دینے کا رواج نہ تھا۔

یعنی والد کی بہنوں کا حصہ نہیں دیا گیا، تو آپ نے اپنے حصے کی فروخت شدہ زمین کی جو قیمت آپ کو ملی تھی، اس میں حساب لگا کر، ان شرعی وارثوں کی اولاد کے پاس جا کر وہ رقم ان کو ادا کی۔

وہ سب آپ کے اس عمل سے بہت متاثر ہوئے، اور اس طرح شریعت کے ایک اہم مگر مردہ مسئلے کی عملی تبلیغ ہوئی۔

اسی طرح فیصل آباد کا مکان دو بیٹوں کو دیا تھا، جو دو حصوں میں کر دیا تھا، مانسہرہ میں دوسری اہلیہ (راقم کی والدہ) کو حق مہر میں پلاٹ لے کے دیا تھا، جس پر انہوں نے اپنا زیور بیچ کر 1982ء میں ابتدائی تعمیراتی کام شروع کرایا، اور خرچ کے پیسوں سے پس انداز کر کے تھوڑا تھوڑا جمع کر کے، تقریباً 6 سالوں میں دو کمرے کا مکان تعمیر کیا، یہ مکان والدہ ہی کے نام تھا، اور 1987ء میں اس مکان میں منتقل ہو گئے، پھر رفتہ رفتہ چند سالوں میں اس کا پلستر اور دیگر رہائشی و آرائشی مراحل طے ہوئے، اس مکان کی آپ کو بڑی خوشی تھی، اس کی تعمیر کے سلسلے میں فکر مند بھی رہتے۔

اپنی ملکیت میں روپیہ پیسہ، ساز و سامان جمع نہ ہونے دیتے، درویشانہ حالت کو نبھاتے تھے۔

ایک دفعہ پیسے جمع کرنے شروع کیے، کافی دنوں بعد ایک وصیت نامہ طرز کی تحریر دکھائی کہ میں اپنے وارثوں، اپنی اولاد کے لیے کچھ رقم جمع کر رہا ہوں، یہ ایک مناسب مقدار تک پہنچ جانے پر اپنے وارثوں میں خود تقسیم کر دوں گا، اور اگر مجھے موقعہ نہ ملے، تو یہ رقم میں الگ رکھ رہا ہوں، یہ تم نے میراث کے طریقے پر سب کو دے دینی ہے، وفات سے ایک دو سال پہلے یہ رقم اولاد اور اہلیہ میں میراث کے طریقے پر تقسیم کر لی تھی۔

موت کی تیاری

آخری چند سالوں میں ایسی کیفیت ہوگئی تھی، گویا ہر وقت موت کے لیے تیار ہیں، اور منتظر ہیں، معاملات، لین دین ایک دو دن سے زیادہ الجھے ہوئے نہیں چھوڑتے تھے، ذرا بیماری اور بے چینی کی حالت پیش آتی، تو ڈائری میں اپنے پاس موجود چیزوں خصوصاً رقوم کے بارے میں تفصیل سے لکھ لیتے یا لکھوا لیتے۔

ایک دفعہ مجھے فرمایا، یار امجد! ذرا میرے پاس بیٹھو اور توجہ سے میری بات سنو، میں بیٹھ گیا، فرمایا! اس کمرے میں دیکھ لو، میری مملوکہ کیا کیا اشیاء ہیں، مجھے سب چیزوں کا پتہ تھا (جو بیشتر استعمالی چیزیں تھیں، باقی مدرسے کی یا خدام طلباء کی کچھ چیزیں تھیں) فرمایا بس یہ ہی کچھ اشیاء اب میری ملکیت میں باقی ہیں، اب یہ میں نے تمہیں دے دی ہیں، بے شک تم اٹھا کر لے جاؤ، اب میری ضرورت کے خیال سے ان کو چھوڑنا ہے، تو عاریۃً مجھے استعمال کی اجازت دے دو، باقی ملکیت تمہاری ہے، میرے جسم کے اس جوڑے کے علاوہ سب استعمالی چیزیں تمہیں دے دیں، اب جو چیز کپڑے وغیرہ بھی مجھے پہننے کے لیے دو، عاریۃً دو۔

فرمایا یہ سب اس لیے کر رہا ہوں کہ معمولی استعمالی چیزوں کو لوگ کسی شمار میں نہیں لاتے، اور مرنے والے کے میراث میں باقاعدہ حصوں کے مطابق تقسیم نہیں کرتے، تو میں نہیں چاہتا کہ اس وجہ سے تم یا تمہارے بھائی گناہ گار ہوں۔

دینی حمیت اور ایمانی پختگی

دینی حمیت وغیرت کے حامل تھے، منبر ومحراب کے وارث تھے، راولپنڈی صدر میں اور اس سے پہلے فیصل آباد میں جہاں زندگی کا بیشتر حصہ گزرا ہے، دینی خدمات کا دائرہ آپ کا ان دونوں متمدن اور ترقی یافتہ شہروں میں دائر رہا ہے، ہر ذوق ومزاج کے، ہر طرح کے فکر ونظر کے حامل لوگوں سے واسطہ پیش آنا فطری بات ہے، بڑے شہروں میں تجدد وروشن خیالی یا

آزاد خیالی کے نام پر بد دینی میں مبتلا لوگ بھی قدم قدم پر ملتے ہیں، جو بھانت بھانت کی بولیاں بولتے (اور قرآن وسنت کے علاوہ) گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتے ہیں، ایسے لوگوں سے آپ کا واسطہ پڑتا یا ان کے افکارِ پریشان کے اثرات پھیلتے دیکھتے، تو جلال میں آجاتے، اپنی نجی مجالس میں بھی اور دروس وخطبات وبیانات میں بھی اس کا محاسبہ وتجزیہ کرتے، اور تجدد کی آڑ میں بد دینوں کی تلبیسات کا پردہ چاک کرتے، گندم نما جوفروشوں کی اصلیت کھولتے۔

تو بہر رنگے کہ خواہی جامہ پوش　　　من از انداز قدت می شناسم

(تو جس روپ میں چاہے سامنے آ، میں تیرے قد کاٹھ سے ہی تجھے پہچان جاتا ہوں)

اللہ رسول کی باتیں، شریعت کے احکام بڑی سادگی اور سلاست کے ساتھ عام فہم انداز میں لوگوں کے سمجھ اور فہم کے درجے پر اتر کر اپنے علمی درجے سے تنزلی کر کے پیش کرتے، نظریات کو بدیہیات بنا کر سمجھاتے، تو دین کی یہ سب باتیں بہت آسانی سے ہر ایک کو ذہن نشین ہو جاتیں، اور اپنی گہرائی کے ساتھ سمجھ آجاتیں۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا　　　میں نے جانا گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

غیبی تائید ونصرت

آپ گمنام ہستی کے حامل اور سادہ زندگی پر عامل، فقیرانہ بود وباش اور درویشانہ چلن رکھتے تھے، طرزِ بود وباش اور نشست وبرخاست، آرائش وزیبائش سے خالی تکلفات اور لمبے چوڑے انتظامات سے عاری تھی۔

آپ کے احوال شب وروز سے بڑی بداہت کے ساتھ احباب ومتعلقین اس امر کو محسوس کرتے تھے کہ تائید وحفاظتِ غیبی قدم قدم پر آپ کے شاملِ حال رہتی ہے۔

نمونے کے چند قابلِ ذکر واقعات سے اس کا اندازہ ہوگا۔

جامعہ اسلامیہ کے تمام زمانۂ قیام میں آپ کو تقریباً نو دفعہ روڈ حادثے پیش آئے، بندہ کے سامنے بعض دفعہ یہ حادثے آپ نے گنوائے بھی کہ فلاں موقعہ پر فلاں جگہ فلاں حادثہ پیش آیا، فلاں موقعہ پر فلاں حادثہ پیش آیا، اوران میں سے کئی حادثوں سے بندہ خود بھی واقف ہے، ان حادثوں میں وقتی طور پر چوٹ، ضرب، دب وغیرہ لگتی رہیں، جو علاج معالجے اور آرام سے بحمداللہ ٹھیک ہو جاتیں۔

حادثوں کی ظاہری وجہ یہ بھی تھی کہ جامعہ اسلامیہ عین روڈ پر، کامران مارکیٹ و بابو بازار اور کشمیر روڈ جیسے مصروف تجارتی مراکز کے سنگم پر، عین چوک کے ساتھ ہی واقع ہے، تمام اطراف سے سڑکیں اس چوک پر پہنچتی اور یہاں سے روڈ پر ٹریفک بہتی ہے، جامعہ کے امور کے حوالے سے آپ کی احباب سے ملاقاتیں، اور علاقے میں روزانہ آمدورفت رہتی تھی۔

آپ کے کمرے میں گیس لیکیج اور آگ بھڑک اٹھنے کے واقعات بھی دو تین دفعہ ہمراہیوں کی کسی کوتاہی کی وجہ سے ہوئے، جن میں ظاہری اسباب کے بالکل برخلاف اللہ کی طرف سے عافیت وحفاظت کا معاملہ ہوا، اس کے علاوہ فیصل آباد قیام کے زمانے کے کئی حوادث کا، بلاؤں اور ابتلاؤں کا اور پُر خطر واقعات کا آپ سے تذکرہ سنا، جن میں حفاظت وسلامتی رہی۔

مناجاتِ مقبول میں ایک دعاء ہے:

اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ. [1]

چھوٹے بچوں کی مخصوص فرشتوں کے ذریعہ خدائی حفاظت کا مستقل نظام ہے، ورنہ بچہ کی لاشعوری عمر میں قریب قریب ہر بچہ ہلاکت وآفات کی جن جن گھاٹیوں میں گھستا ہے، یا کسی وجہ سے بھی مبتلا ہوتا ہے، یہ اگر اپنے طبعی و مادی اسباب کے تحت اثر دکھلاتے، تو کوئی بچہ بھی سلامت نہ رہتا، نہ شعور اور جوانی کی عمر تک پہنچ پاتا۔

---

[1] اے اللہ! میں آپ کے ذریعہ (اپنی ذات) کی اس طرح حفاظت چاہتا ہوں، جس طرح چھوٹے معصوم بچوں کی آپ حفاظت فرماتے ہیں۔

بعض لوگوں کے ساتھ شاید بعد تک بھی اللہ کے ہاں سے اس طرح کا معاملہ رہتا ہے۔
آپ کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین کے مراحل، جامعہ اسلامیہ صدر میں نمازِ جنازہ، راولپنڈی سے مانسہرہ تک کا سفر، بعد مغرب گاؤں کے قبرستان میں آپ کی تدفین، اس کے بعد جنازہ کے ساتھ جانے والے احباب و مہمانوں کا انتظام اور پھر رات ہی رات میں راولپنڈی واپسی کا سفر، یہ تمام مراحل جس حسنِ انتظام، سہولت، اطمینان، اور ایک قلبی طمانینت کے ساتھ طے ہوئے، جن کو بندہ نے بالکل واضح محسوس کیا، ساتھ ہی بعض دیگر احباب نے بھی محسوس کیا، اور اس کا اظہار کیا، ہم یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ اس تائیدِ غیبی اور آپ کی کرامت کا تسلسل اور تکملہ ہے، جو زندگی میں بھی ہم آپ کے احوال میں ملاحظہ کرتے رہے، اور ہمارے لئے یہ کوئی اچھنبے کی بات نہ تھی۔

اندازِ درس وتدریس

آپ کی پڑھنے پڑھانے کی صلاحیت اور لیاقت بہت عمدہ تھی، مدت العمر کے تدریسی تجربے نے اس صلاحیت کو خوب خوب نکھار دیا تھا، ادب ولٹریچر میں ایک اصطلاح ''سہلِ ممتنع'' استعمال ہوتی ہے، جو نظم یا نثر میں ایسے شہ پاروں اور جواہر پاروں کے لئے استعمال ہوتی ہے کہ بظاہر بالکل رواں اور سادہ نظم ونثر ہوتی ہے، لیکن اس کے پیچھے فنی اصول پوری طرح ملحوظ اور کارفرما ہوتے ہیں، سننے یا پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ عام بیانیہ اور فی البدیہہ گفتگو یا نظم ونثر ہے، لیکن اس کی نقل یا چربہ اتارنے لگیں، تو دانتوں کو پسینے آ جائیں، بعض باکمال سخن ور اور ادیبوں میں یہ ملکہ فطری ہوتا ہے، وہ صاحبِ طرز انشاء پرداز یا شاعر ہوتے ہیں، اپنی طرز اور اسلوب خود ایجاد کرتے ہیں، پھر زمانہ ان کے طرز کی پیروی کرتا ہے، وہ اپنی راہیں خود تراشتے ہیں، بعد والے ان راہوں پہ چلنے میں فخر محسوس کرتے یں، سید سلیمان ندوی مرحوم نے خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم پر اپنے ایک مضمون میں خواجہ کی شاعری کو، خصوصاً ان کی

مسدس کو، سہل ممتنع کی بہترین مثال قرار دیا ہے، مسدس پڑھیں تو بالکل رواں اور فی البدیہہ باتیں معلوم ہوتی ہیں، لیکن فکر وفن سے بھر پور ولبریز ہیں، اور اسلام کے عروج وزوال کی تاریخ کا اس میں مرثیہ بھی ہے اور قصیدہ بھی، تاریخ اسلام پر تبصرہ بھی ہے، اور امت کی موجودہ زبوں حالی کا تجزیہ بھی۔

حالی کا یہ ذیل کا شعر کتنا رواں، فی البدیہہ اور سیدھا سادا ہے؟ لیکن حفیظ جالندھری جیسا باکمال شاعر، پاکستان کے قومی ترانے کا تخلیق کار، اس ایک شعر پہ جھوم جھوم جاتا ہے، اور اس پر پورے پورے دیوان وارنے پر تیار ہو جاتا ہے ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا　　　دعائے خلیل اور نوید مسیحا

یا مومن خان مومن کا یہ شعر بظاہر کتنا سادہ اور رواں ہے، مگر غالب جیسا سخنور، جس کا کلام اردو شاعری کی معراج ہے، اس کی تاثیر اور گہرائی ومعنویت پہ وجد میں آ جاتا ہے ؎

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا　　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

شیخ سعدی جیسا باکمال سخنور، جس نے پند ونصیحت اور اخلاقی تعلیمات جیسے خشک اور پامال موضوع میں اپنی شاعری کے زور پر وہ گلکاریاں کی ہیں کہ اس کی گلستاں بوستاں، گزشتہ سات سو سال سے سدا بہار اور لازوال شاہکار ہیں، کتنوں نے اس کے چربے اتارے، اور نقل کی، لیکن گلستاں بوستاں کی سہل ممتنع نظم ونثر کے سامنے یہ سب سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ثابت ہوئے ع

چراغ مردہ کجا، چشمہ آفتاب کجا

سعدی کا یہ شعر کتنا سادہ اور رواں ہے، لیکن فنِ عروض کے قوانین سے آزاد نہیں ؎

دیدہ ودل سعدی ہمراہ تست　　　تانہ پنداری کہ تنہا می روی

نیز یہ نعتیہ رباعی بھی:

بلغ العلیٰ بکمالہ　　　کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصاله صلوا علیه و آله

یہ سعدی کے فارسی کے ساتھ ساتھ عربی میں بھی سہل ممتنع کے تخلیق کار ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

سعدی کے اس مذکورہ نعتیہ عربی جواہر پارے کو زمانے نے سر آنکھوں پر رکھا۔

کہہ یہ رہا تھا کہ آپ کے درس وتدریس کے انداز واسلوب کو، مہارت اور لیاقت کو ''سہل ممتنع'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

عصری سکولوں اور دینی مدارس، دونوں جگہ دینی علوم وعصری مضامین، لغت وبلاغت، منطق و فلسفہ، اور تاریخ وادبیات، علم وفن کے ان تمام دائروں اور صیغوں میں آپ کی درس وتدریس کی مشغولیت نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔ ع

یہ نصف صدی کا قصہ ہے، دو چار برس کی بات نہیں

درس وتدریس سے فطری مناسبت، علمی قابلیت اور وسعتِ مطالعہ کے علاوہ طویل تدریسی ممارست وتجربہ نے آپ کے حلقہ درس میں بڑی رونق اور جاذبیت پیدا کی تھی، سادہ اور رواں انداز تدریس میں، سیدھی سادی درسی تقریر میں معنویت کا یہ عالم تھا کہ علم وفن کی شائد ہی کوئی شاخ ہو، جو حسبِ موقعہ زیرِ بحث نہ آتی ہو، اور اس پر معلومات کا انبار آپ نہ لگا دیتے ہوں۔

اگر کوئی تدریس کے اس سیدھے اور سادے انداز کی نقل اتارے، تو مطالعہ کی وہ وسعت، علم کی وہ گہرائی، معلومات کی وہ فراوانی، مختلف علم وفنون سے وہ مناسبت کہاں سے لائے گا، جو اس کی اصل روح ہے، اور اس میں پوری طرح سرایت وپیوست ہے۔

امت اور ملت کا درد

خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد گویا ہمارے جگر میں ہے

اس شعر کے مصداق دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کے لئے آپ فکر مند رہتے، اور مسلم امہ کے مصائب ومشکلات پر کڑھتے، جو اپنوں یا غیروں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو کر ابتلاء وآزمائش کے دور سے اور رنج ومحن کے مرحلوں سے گزر رہے ہوتے، اپنی مجالس میں مسلمانوں کے احوالِ حاضرہ کا کثرت سے تذکرہ کرتے، مظلوم مسلمانوں کے لئے بہت دعائیں کرتے، مسلمانوں کے موجودہ بگاڑ اور دین سے دوری پر بھی کڑھتے، مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں، مسلمانوں کے ریاستی سسٹم اور نظام میں اللہ ورسول کے احکام، اسلامی شعائر وروایات اور دینی اقدار کے مضمحل ہونے، مٹنے پر دکھیا ہوتے، آپ کی مجلسوں میں، دینی بیانات میں بات گھوم پھر کر ان موضوعات پر آ جاتی تھی، پھر دیر تک مسلمانوں کے مجموعی بگاڑ اور مجموعی زوال وانحطاط کا تذکرہ کرتے رہتے۔

زدر دِیں ہمہ پیرانِ راہ را جگرہا خستہ دلہا کباب اند

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا، ہم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

ہمارے بعد محفل میں اندھیرا رہے گا، بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

متفرق واقعات

فریضۂ حج کی ادائیگی

۱۴۰۵ھ بمطابق 1985ء میں آپ نے بفضل ایزدی حج ادا کیا، آپ کے صاحبزادے قاری اشفاق احمد صاحب جو سعودیہ میں تھے۔[1]
انہوں نے وہیں سے آپ کے لئے حج کا انتظام اور داخلہ کیا، مجھے یاد پڑتا ہے، اس زمانے میں حج کے اخراجات پاکستانی کرنسی میں 25000 (پچیس ہزار) کے لگ بھگ تھے۔
اسی سال بندہ کے نانا مولوی جمعہ خان مرحوم اور دیگر کئی اعزہ نے بھی فریضۂ حج ادا کیا تھا۔
حج کے بعد آپ کی عبادت اور رجوع وانابت الی اللہ میں مزید اضافہ ہوا۔

سکول سے ریٹائرمنٹ

15 نومبر 1979 کو آپ ساٹھ سالہ بنیاد پر (کیونکہ شناختی کارڈ میں سن پیدائش 15 نومبر 1919 لکھا ہے) گورنمنٹ ہائی سکول سمن آباد فیصل آباد سے ریٹائر ہوئے۔
(ریٹائرمنٹ پر اس وقت گریجویٹی 24 ہزار روپے ملی، اور پنشن 147 روپے مقرر ہوئی، یہ نصف پنشن تھی، نصف پنشن کی آپ نے دس سال کے لئے پیشگی رقم لے لی تھی، گریجویٹی اور یہ ایڈوانس پنشن ملا کر آپ نے صنعتی یونٹ خریدنے کے لئے سرمایہ فراہم کیا تھا)

کپڑے کی صنعت سے وابستگی

غالباً 1980ء میں ایک صنعت کار دوست چوہدری محمد گل صاحب سے 4 عدد کپڑا بنانے والی

---

[1] افسوس کہ میرے یہ بھائی جان 28 جنوری 2016 کو ریاض سعودیہ میں انتقال فرما گئے، اللہ مغفرت فرمائے۔
مئی 14ء میں ان سوانح کی پہلی اشاعت کے وقت پاکستان، میں ہی تھے، چھٹی پر آئے تھے، اس مجموعہ کو پسند کیا تھا۔

پرانی لُومیں (مشینیں) بعوض 40 ہزار روپے خرید کر صنعتی یونٹ لگایا، صنعتی یونٹ لگانے کے اس معاملے میں ایک دوست حاجی محمد صدیق صاحب مرحوم بھی شراکت دار تھے، 10 ہزار روپے سرمایہ انہوں نے لگایا تھا، صنعتی یونٹ چالو ہونے پر ایک کمپنی کے ساتھ معاہدہ ہوا، جو کھدر کا کپڑا ایکسپورٹ کرتی تھی، فرماتے تھے کہ کمپنی والے ہمیں سُوتر دیتے، اور ہم اس سے مارکین (سادہ کھدر کپڑا) تیار کر کے ان کو سپلائی کرتے، کچھ عرصہ تو یہ سلسلہ چلا، پھر کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے، اور ایسی وجوہات پیش آئیں کہ اس کاروبار میں نقصان ہوتا چلا گیا، مشینیں بھی آئے دن خراب ہونے لگیں، آرڈر بھی پورے نہ ہوئے، اس طرح ساکھ بھی متاثر ہوئی، اور آرڈر بروقت ملنے میں بھی تعطل پیدا ہو گیا، آخر مجبور ہو کر پہلے یہ مشینیں ٹھیکہ پر دیں، اور پھر آخر کار نقصان پر بیچ دیں، فرماتے تھے کہ میں نے اپنے پارٹنر (شراکت دار) حاجی صاحب کو ان کا پورا سرمایہ واپس کیا، نقصان سارا اپنے سر لیا۔ [1]

---

[1] کپڑے کی تجارت سے آپ کو دلچسپی رہی ہے، چنانچہ 1946ء میں دیو بند میں زیرِ تعلیم ہونے کے زمانے میں چھٹیوں میں، اپنے وطن میں، علاقہ کے ایک ہندو تاجر، جنہوں نے گھر میں کپڑے کا بڑا گودام بنا رکھا تھا، اور کپڑے کا بڑا اسٹاک اس کے پاس رہتا تھا، اس سے 200 روپے کا ادھار کپڑا لے کر، گاؤں گاؤں پھیری لگا کر (بنجاروں کی طرح) کپڑا بیچتے، جب وہ بک جاتا تو پچھلی ادھار ادائیگی کر کے مزید اتنا کپڑا ادھار لیتے اور بیچتے، اس طرح کچھ عرصہ یہ سرکل چلتا رہا۔

فرماتے تھے کہ میں اس وقت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے مشرب اور ذوق کو بہت زیادہ ملحوظ رکھتا تھا، خصوصاً صفائی معاملات کے باب میں، چنانچہ پھیری لگا کر کپڑا بیچنے کے اس عمل میں، ایک دفعہ ایک خاتون نے بہت ضد کر کے، میرے مقررہ ریٹ سے فی گز کچھ پیسے کم دیئے، حالانکہ میں نے منافع کی بہت معمولی شرح رکھی تھی، چنانچہ اس خاتون نے اصرار کر کے جب میرے مقررہ نرخ سے کم ادائیگی کی، تو میں نے جتنے لوگوں کو وہ کپڑا اس ایک آدھ دن میں بیچا تھا، ایک ایک کے گھر جا کر سب کو اتنے پیسے واپس کیے کہ فلاں نے چونکہ نرخ کم کیا، اس لئے باقی سب کو بھی اخلاقاً میں نرخ کم کر کے باقی پیسے واپس کرتا ہوں، یہ گو مسئلہ کی رُو سے ضروری نہ تھا، لیکن اس واقعہ سے اباجی کا جذبہ دیانت و خیر خواہی علی الخلق معلوم ہوتا ہے، اسی طرح فیصل آباد میں اشرف المدارس سے مستعفی ہونے کے بعد بھی آپ نے کٹ پیس کپڑے کی پرچون دکان کی، جس کا پیچھے ذکر گزر چکا ہے، مانسہرہ میں بھی جب تک فیصل آباد سے آپ کا آنا جانا رہا، آپ جتنا کپڑا اٹھا کر لا سکتے، فیصل آباد کی تھوک مارکیٹ سے اٹھا کر لاتے۔

اہم اسفار

حج کے سفراوراندرون ملک تبلیغی اسفار کے علاوہ ایک دو دفعہ پاسپورٹ بنا کر انڈیا کے سفر کے لیے عازم ہوئے، گلگت چترال اور شمالی علاقہ جات کے سیاحتی سفر ہوئے، باقی زمانہ طالب علمی میں حصول علم کے سلسلے میں ہندوستان کے طول وعرض میں آپ کے لمبے چوڑے جو سفر ہوئے، ان کا کچھ ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔

جامعہ اسلامیہ کے مالی نظم میں آپ کا کردار

جامعہ اسلامیہ میں 1992ء کے بعد سے ادارہ کے مالی نظام اور زرِتعاون کی وصولیوں اور حساب وریکارڈ کا سلسلہ آپ کے سپرد ہو گیا تھا، آپ نے یہ فریضہ جس حسن وخوبی، خوش اسلوبی، امانت ودیانت، نظم وسلیقہ کے ساتھ مرتب ومنظّم کر کے چلایا، اور ایک ایک پیسے کا ریکارڈ اور حساب رکھا، اسے آپ کی کرامت کہا جاسکتا ہے۔
اہل جامعہ آپ کی اس خاموش خدمت، محنت وجانفشانی کے عمل کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

جماعت تبلیغ کے ساتھ وابستگی

تبلیغی جماعت کے نظم اور ترتیب کے مطابق چلہ اور کم وبیش وقت لگانے کا بھی آپ کا معمول فیصل آباد کے زمانہ قیام میں جاری رہا، جبکہ جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کے قیام کے زمانے میں زکریا مسجد کے منتظمین کی نگرانی وانتظام میں خواص اور علماء کی جو مخصوص جماعتیں، ہفتہ، عشرہ کی بھیجی جاتی تھیں، ان میں آپ کو شامل کیا جاتا تھا، پیرانہ سالی کے اس دور میں عام ترتیب پر خود تشکیل کرا کے تبلیغی سفر آپ کا شائد ایک آدھ دفعہ سے زیادہ نہیں ہوا۔

تبلیغی مرکز زکریا مسجد کے ممتحن

مدرسہ عربیہ زکریا مسجد (راولپنڈی تبلیغی مرکز) کے درس نظامی کے سالانہ امتحانات میں (اور کبھی دوران سال کے امتحان میں بھی) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ (مہتمم مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز) آپ کو خاص طور پر مدعو فرماتے تھے۔

مولانا خلیل احمد صاحب اور راولپنڈی مرکز کے دیگر بزرگ اور علماء (مولانا عبد الرحمان صاحب، مولانا بدر عالم صاحب، مولانا الیاس کوہاٹی صاحب وغیرہم) بھی آپ سے بہت ربط و تعلق اور حسنِ اعتقاد رکھتے تھے، اور وقتاً فوقتاً آپ کے حجرے میں تشریف لاتے رہتے، اور آپ کو بھی مرکز بلواتے تھے۔

رائیونڈ تبلیغی اجتماع میں لگ بھگ 1990ء تک آپ کی شرکت ہوتی رہی, دو یا تین بار بندہ کو بھی ہمراہ لے گئے۔

بندہ انہی سطور پر اپنے مرحوم والد کے سوانح کو ختم کرتا ہے، اور اللہ سے دعاء کرتا ہے کہ اللہ کے ایک نیک بندے، منبر ومحراب کے ایک بے لوث خادم، شریعتِ محمدیہ کے ایک غیور اور دردِ دل کے حامل ترجمان، اللہ کے نبی کے ایک اچھے اور سچے وارث کے یہ عمدہ اوصاف واحوال جن میں ایک مسلمان کے لئے دینی رہنمائی کا کافی کچھ سامان ہے، خود میرے لئے اور پڑھنے سننے والے ہر مسلمان کے لئے قبر وآخرت کی فکر، اعمالِ صالحہ کے ذوق وشوق اور دینی ترقیات کا باعث بنائے کہ کہا گیا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کا تذکرہ کرتے (کہتے یا سنتے) وقت اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

اور اولیاء اللہ کا تذکرہ خدائی لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، جس سے اللہ اپنے بندوں کی امداد فرماتا ہے، اور جن کو چاہتا ہے اس تذکرہ سے ہدایت دیتا ہے۔

دینی و علمی خدمات

آپ کی علمی تدریسی و تعلیمی خدمات، عصری تعلیمی اداروں اور دینی مدارس دونوں دائروں میں دائر رہی ہیں، 1950ء سے کر 2010ء تک کم و بیش ساٹھ سال کے عرصے و دورانیے تک آپ کا چشمۂ فیض جاری رہا، اس طرح جدید وقدیم علوم، و تعلیمی نظامات کا آپ سنگم و مجمع البحرین تھے۔

ہائی سکول میں آپ عربی و فارسی اور دینیات کے معلم تھے، دینی مدارس میں علومِ عربیت، صرف و نحو، لغت، بلاغت، فلسفہ و منطق، فقہ، حدیث و تفسیر وغیرہ جملہ رائج و متداول علوم و فنون آپ کے زیرِ درس رہے ہیں۔

آپ کے فیض یافتگان میں علومِ دینیہ کے باب میں ملک کے، وقت کے نامور مشاہیر علماءِ دین، و مفتیانِ کرام، اور عصری تعلیمات کے باب میں سول و فوجی آفیسر، بیوروکریٹ، اور عملی زندگی کے مختلف میدانوں کی مایہ ناز اور لائق و فائق شخصیات رہی ہیں، فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے آپ سے شرفِ تلمذ کے حامل ایسے بہت سے حضرات راولپنڈی میں بھی عرصے تک آپ سے ربط و تعلق رکھتے رہے۔

آپ کی صحت جب تک اچھی رہی، آپ نے فیصل آباد سے تعلق ختم نہیں کیا، فیصل آباد تشریف لے جاتے، اپنے احباب سے رابطہ و ملاقات کرتے، یہ ملاقاتیں اور فیصل آبادی احباب کے ساتھ مجلسیں، جن میں سے بعض اسفار میں بندہ راقم کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل رہا، پُر رونق و پُر لطف ہوا کرتی تھیں، اور دیر تک ان کی یادیں دل و دماغ کو مسحور کیے رکھتیں۔

یک چراغست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں ہر کجا کہ می نگری انجمنے ساختہ اند [1]

---

[1] ایک ہی چراغ اس خانہ آباد میں ہے، لیکن اس کے عکس و پرتو اور شعاع افروزی سے جہاں دیکھو ایک بزم اور محفل سجی ہوئی ہے۔

رفقاء وخدام

آپ کی خدمت ورفاقت کے لئے آپ کے ساتھ حجرے میں ایک دو اعزہ، جامعہ کے سینیئر طلباء، ہمیشہ رہے ہیں، 1995ء کے اواخر تک بندہ خود مستقل آپ کی خدمت میں رہا، یہ جامعہ میں میرا تعلیمی دور تھا، 90اور 95 کے درمیان بندہ کے علاوہ چند ساتھیوں نے بھی ادل بدل کر موقعہ بموقعہ اباجی کی بہت خدمت کی، جو اس زمانہ میں جامعہ میں زیرِ تعلیم رہے، جناب قاری محمد صدیق صاحب، قاری مولوی نور الاسلام صاحب، حافظ عمران صاحب، حافظ نجیب صاحب، اور قاری حافظ عجب خان صاحب تھے، یہ سب ہمارے اعزہ اور علاقے کے تھے، اور اب یہ سب حضرات ماشاءاللہ مختلف دینی شعبوں میں عمدہ خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

87ء سے لے کر 89ء کے سالوں میں میرے خالہ زاد قاری محمد داؤد (مرحوم) نے اباجی کی بہت خدمت کی، جو اس زمانہ میں جامعہ میں زیرِ تعلیم تھے۔

97،96ء میری تعلیم کے تکمیلی سال ہیں، اس عرصہ میں، بوجوہ میں دوسرے بڑے مدارس میں زیرِ تعلیم رہا، گوجرانوالہ، کراچی، جبوڑی (مانسہرہ) میرا قیام رہا، اس زمانے میں میرے بھانجے مفتی امتیاز صاحب اباجی کی خدمت میں رہے، جو جامعہ میں حفظ پھر قرائت کے شعبہ میں زیرِ تعلیم تھے، 98ء کے سال جامعہ اسلامیہ میں بحیثیت مدرس اور ناظمِ تعلیمات میرا تقرر ہوا، اور میں اباجی کے ساتھ رہا، اسی سال افتاء کی مشق کا سلسلہ بھی دارالافتاء میں مفتی محمد رضوان صاحب کی نگرانی میں، میں نے جاری رکھا۔

99ء کے آغاز میں ادارہ غفران کے قائم ہونے پر میں ادارہ کے ساتھ وابستہ ہوگیا، تدریس، افتاء اور نظامت کی ذمہ داریوں سے میرا تعلق تھا، لیکن قیام جامعہ اسلامیہ میں اباجی کے ساتھ ہی رکھا تھا۔

جنوری 2003ء سے جامعہ سے میرا قیام ختم ہوگیا، شادی ہونے پر میں نے مع اہلِ خانہ ادارہ غفران کے قریب رہائش اختیار کی، اس کے بعد اباجی کی خدمت میں آمدورفت تو رہی، لیکن مستقل قیام میرا اباجی کے پاس نہیں رہا تھا۔

تب اباجی کی خدمت ورفاقت کی سعادت میرے دوسرے بھانجے حافظ شہباز صاحب کے حصے میں آئی، جو جامعہ میں اباجی کے زیرِ نگرانی تعلیم حاصل کررہے تھے، دوتین سال یہ اباجی کی خدمت میں رہے، اس کے بعد مختلف سالوں میں جو احباب طلباءکرام اباجی کی خدمت و رفاقت میں رہے، ان میں نمایاں نام یہ ہیں:

جناب مولوی ابرار حسین ستی صاحب (جو بعد میں کئی سال ادارہ غفران سے وابستہ رہے) جناب مولوی ظاہر ستی صاحب، جناب مولوی محمد اکبر صاحب (اوگی، مانسہرہ) جناب مولوی انعام الحق صاحب (صوابی) جناب مولوی عبدالواجد صاحب (چوا سیدن شاہ)، جناب مولوی حلیم الرحمٰن صاحب (کرک) ایک پشاور کے ساتھی بھی ان سالوں میں سے کسی سال تھے، جن کا اب میں نام بھول گیا)

تذکرہ واجد و حلیم

آخرالذکر دوحضرات مولانا عبدالواجد صاحب اور مولانا حلیم الرحمٰن صاحب، عمر کے آخری چند سالوں میں اباجی سے وابستہ ومنسلک رہے، اباجی کو ان کی خدمت، لیاقت، سعادت، رفاقت سے بہت زیادہ تقویت، بشاشت اور فرحت حاصل ہوتی تھی۔

دونوں حضرات اب عالم فاضل لائق فائق شخصیات ہیں، دینی خدمات اور سرگرمیوں میں ہمہ تن مشغول ہیں، اباجی جس سال فوت ہوئے، وہ ان کا آخری تعلیمی سال تھا، بندہ سے بہت اپنائیت، یگانگت اور محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔

اللہ ان کو دارین میں سعادت عطا فرمائے۔

پکا ہوا پھل

اللہ والوں کی شروع یا درمیان کی عمر مجاہدوں اور آزمائشوں کی ہوتی ہے، آخر عمر میں ان کی مثال پکے ہوئے پھل کی مانند ہوتی ہے کہ زمانے بھر کی سعادتیں اور بارگاہِ حق سے مقبولیت و محبوبیت کی شان ان کو عطا کی جاتی ہے، جس کے آثار و نشان ان کے چہرے بشرے سے نمایاں اور ان کی پیشانی سے عیاں ہوتے ہیں۔

ان کے افعال واقوال میں، عادات اطوار میں، تصرفات، توجہات میں برکت رکھ دی جاتی ہے، خلقِ خدا کے دلوں میں ان کی محبت اور عقیدت ڈال دی جاتی ہے، قرآن مجید کی ذیل کی آیت سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا (سورة مريم، رقم الآية ٩٦)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے، اور انہوں نے عملِ صالح کیے، عنقریب رحمٰن تعالیٰ ان کے لیے شانِ محبوبیت عطا فرمائے گا (سورہ مریم)

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور ۔۔۔ کب تک چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

اباجی کے آخری سالوں میں گوشہ گمنامی میں ہونے کے باوجود علماء وصلحاء کا خصوصاً اور عامۃ المسلمین کا عموماً رجوع آپ کی طرف بڑھ گیا تھا، تقسیم ملک سے پہلے کے دار العلوم دیوبند کے قدیم فضلاء، اب شاید چند ہی باقی ہوں، اس لحاظ سے آپ کے بارے میں معلوم ہونے پر کہ یہ دار العلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور صاحبِ نسبت بزرگ ہیں، تھانوی و مدنی اور رائپوری تینوں سلسلوں سے فیض یافتہ ہیں، اہلِ علم بھی اور دیگر بھی پرانی نسبتوں کے قدردان اور بزرگوں کے معتقد لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے، آپ کی زیارت وملاقات کے لیے آتے۔

ابا جی کو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے علمِ حدیث میں تلمذ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے شرفِ صحبت، شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے شرفِ بیعت، اور بہت سے قدیم اکابر اہلِ علم سے تعلق ونسبت حاصل رہا ہے، یہ شرف وسعادت کی اونچی نسبتیں اور خصوصیات جو آپ کی ذات میں جمع تھیں، اہلِ علم وصلحاء کو آپ کی زیارت و ملاقات کے لئے، آپ سے سند حدیث حاصل کرنے کے لئے آپ کی طرف رجوع کراتی تھیں، موقعہ بموقعہ جامعہ میں بھی اور بیماری میں جب ادارہ غفران میں آپ کا قیام تھا، یہاں بھی ملک کے اطراف وجوانب سے حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

وفات سے کچھ ہی دن پہلے نامور علمی ہستی مولانا عبدالحمید تونسوی صاحب دامت برکاتہم (ڈیرہ غازیخان) ادارہ میں تشریف لائے تھے، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر علمِ حدیث میں سند واجازت حاصل کی تھی، اس وقت آپ پر مرض کی شدت تھی، کسی وقت کچھ افاقہ ہوتا تھا، اسی افاقہ کی حالت کا انتظار کرا کر بندہ مولانا تونسوی کو آپ کی خدمت میں لے گیا تھا، آپ کے نانا بڑے حضرت مولانا عبدالستار تونسوی مرحوم (متوفی 2012ء) ابا جی کے ہم سبق تھے، ابا جی بڑی بشاشت وشفقت سے ملے، مولانا موصوف کی خواہش پر اپنی اسنادِ حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی، تحریر کی املاء بندہ راقم سے کرائی۔

ملفوظات

(1)...... تحریکِ آزادی کے دوران ایک مسلمان لیڈر (ابوالکلام آزاد مرحوم) نے کیا اچھی بات کہی تھی:

مسلمانو! تم بھڑک اٹھتے ہو یا پھر بجھ جاتے ہو
حالانکہ زندگی تو سلگتے رہنے کا نام ہے

واقعی بڑے کام کی بات ہے، کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

ہری ہے شاخِ تمنا مگر جلی تو نہیں — دبی ہے آگ جگر کی مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی — کٹی ہے برسرِ میداں مگر جھکی تو نہیں

(2)...... یہ بہت بڑی حماقت اور بیوقوفی کی بات ہے کہ آدمی دوسرے کی دنیا کے لئے اپنا دین بگاڑ لے، دوسرے کے دنیاوی فائدہ کے لئے اپنے دین کا نقصان کرلے، گناہ کے کام میں حق تلفی، ناانصافی، خیانت، ظلم وغیرہ کی کوئی بھی شکل جس میں دوسرا مبتلا ہے، یا مثلاً ہونا چاہتا ہے، اس میں اس کی حمایت کرکے، مدد وتعاون کرکے، آدمی مفت میں اللہ کے ہاں مجرم بن جاتا ہے، کیسے لوگ دوستی، رشتہ داری، تعلق وغیرہ کی رعایت ومروت میں دوسرے کے ایسے جرائم وگناہوں میں ان کے مددگار بنتے ہیں، اور اپنی آخرت برباد کرتے ہیں۔

(3)...... مشہور علمی مقولہ ہے کہ:

اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّم

یعنی علم تو سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے، کسی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے، محض مطالعہ سے معلومات حاصل ہوتی ہیں علم نہیں، فلاں فلاں تحریکوں کے لیڈر اپنی چرب زبانی اور اردو لٹریچر کے مطالعہ سے اسلام کے ذمہ دار (ٹھیکیدار) بن گئے، اور سلف صالحین کو لتاڑنے لگے، صحابہ و فقہاء، محدثین، مفسرین، صوفیاء پہ زبان درازی کی، ان کی دینی کاوشوں اور تحریکات میں

نورانیت ہے نہ روحانیت، اس لئے برکت بھی نہیں۔

(4)...... بچہ بیمار، لاغر وضعیف ہو، جوانی وبلوغ کا دور اس پر بھی آتا ہے، میں بچپن سے ہی گھر سے دربدر ہوا، آوارہ وپریشان زمانے کی ٹھوکریں کھاتا رہا، لیکن علم دین کے مراکز اور علماء سے اللہ نے وابستہ کردیا، اور ہم اسی در کے ہوکر رہ گئے، تو ایک دن عالم فاضل بن گئے، حالانکہ ہمارے پاس تو کچھ نہیں تھا، بس لگے رہے، اللہ نے کرم نوازی کی، یک در گیر محکم بگیر، مستقل مزاجی پیدا کرو، کام میں لگے رہو، محروم نہیں رہو گے۔

(5)...... فرماتے تھے:

رات کی عبادت کا بڑا درجہ اور بڑی تاثیر ہے، اس کا کچھ نہ کچھ اہتمام آدمی رکھے۔

اُٹھ فرید استیا من دا دیوا بال تو سُتّا رب جاگدا یاری کیندے نال

(6)...... فرماتے تھے:

حدیث میں ہے "خیر الناس من ینفع الناس"۔

لوگوں میں بہترین اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو لوگوں کی نفع رسانی میں لگا رہے، ہمیں اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ہم سے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچتا رہے، نقصان اور تکلیف نہ پہنچے، عام دنوں میں تعلیم وتعلم، وعظ ونصیحت درس وتدریس کی صورت میں جہاں تک رسائی ہو، جاننے والوں، ملنے والوں سے، دامے، درمے، سخنے، قدمے، جس طرح موقعہ ہو، معاونت کرکے فائدہ پہنچاتے رہتے ہیں، بیماری میں چارپائی سے لگ کر یہ معمولات چھوٹ جاتے ہیں، تو میں ذکر کرکے، مختلف سورتوں کی تلاوت کرکے، درود شریف، استغفار پڑھ پڑھ کر ساری امت کو، تمام مسلمانوں کے لئے ان کا ثواب پہنچانے کی دعاء کرتا ہوں۔

یہ بہت آسان کام ہے، بیماری میں فارغ پڑے رہنے کی بجائے یہ کرنا چاہئے، وقت مشغول ہوجاتا ہے، اور سب کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(7)...... فرماتے تھے:

حدیث میں ہے "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ"۔

جو لوگوں کا شکرادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا، جو بھی تمہارے ساتھ احسان کرے، اچھا برتاؤ کرے، اس کا احسان مند ہونا چاہیئے، شکریہ ادا کرنا چاہیئے، اس کی اچھائی کا بدلہ دینا چاہیئے۔

(8)......فرماتے تھے:

اپنے معاملات درست اور صاف رکھنے چاہئیں، بدمعاملہ آدمی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، ایسوں سے احتیاط رکھنے کی ضرورت ہے، بدمعاملہ آدمی کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

(9)......فرماتے تھے:

تقسیم ملک کے وقت بہت زیادہ تباہی اور زیادتیاں ہوئیں، غیروں کے ہاتھوں تو جو ہوئیں سو ہوئیں، اپنوں کے ہاتھوں کیا کم ہوا؟ وہ لوگ جو یہاں کے اقتدار کے اور سیاہ سفید کے مالک بنے، ان میں سے بہت سوں کی خودغرضی، مفاد پرستی، اور گھٹیا فطرت نے وہ وہ گل کھلائے ہیں کہ یہ ملک آج تک سنبھل نہیں سکا، ان کو اپنے عہدوں و مناصب اور جائیدادوں کی الاٹمنٹ سے کام تھا، ملک کی تقسیم کی صورت میں یہ چیزیں ان کے مدنظر اور ان کا ہدف تھیں، خواہ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ جائیں، ان کا سب کچھ لٹ جائے، ان کی بلا سے، انہی لوگوں نے علماء اور اللہ والوں کو جو اس تحریک میں ان کے ساتھ نہ تھے، یا اس وجہ سے اختلاف رکھتے تھے کہ اس طرح مسلمانوں کا خون خرابہ ہوگا، وہ وطن سے بے وطن ہوں گے، بڑی اکھاڑ بچھاڑ ہوگی، تو یہ لوگ ان علماء حق کے، اللہ والوں کے درپے آزار ہو گئے تھے، کیا کچھ گستاخیاں اور ایذا رسانیاں انہوں نے ان کی نہیں کیں، اور جو اکابر علماء ان کے ساتھ نفاذِ اسلام کے دعوے کی وجہ سے تھے، ان کو انہوں نے آگے نہیں آنے دیا، ان کی ایک نہیں چلنے دی، ان کی ناقدری کی، نفاذِ اسلام کے وعدے سے منحرف ہو گئے، وہ ہستیاں سخت بددل اور یہاں کے حالات سے کبیدہ خاطر ہو گئی تھیں، ان اللہ والوں کی بددعائیں انہوں نے سمیٹیں،

ان کے دکھی دلوں کی آہیں ان کے حصہ میں آئیں، یہ کیسے پنپ سکتے ہیں؟

(10)......فرماتے تھے:

مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب اور جو بڑے علماء (سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب وغیرہم) نفاذِ اسلام کے وعدے پر تحریکِ پاکستان میں برابر کے شریک اور ساتھ تھے، یہاں انہوں نے جس طرح بدعہدیاں دیکھیں، اور ان کی سخت ناقدری کی گئی، ان کو نظر انداز کیا گیا، اس چیز سے شیخ الاسلام عثمانی سخت دکھی وافسردہ تھے، اسی حالت میں وہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

(11)......فرماتے تھے:

فتنوں کا دور دورہ ہے، یہ ایمان شکن فتنے ہیں، اپنے ایمان کی، اپنے اہل وعیال ومتعلقین کے ایمان کی فکر کرنی چاہئے، گھر کی خواتین کا ناظرہ قرآن کبھی سن لیا کرو، اور ان کے تلفظ، لب ولہجے کی اصلاح کرو، نماز کا سبق، دعائیں وغیرہ سن کر، ان کا تلفظ، ادائیگی درست کریں، یاد نہ ہو تو یاد کرائیں، ان کو ضروری مسائل طہارت اور نماز وغیرہ کے سکھائیں، ایک عورت اپنے کئی محرم رشتہ داروں کو جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن جائے گی، اگر اس کے دین کی فکر نہ کی۔

بہت اہتمام اور فکر کی ضرورت ہے۔

(12)......فرماتے تھے:

خواتین مل بیٹھ کر دنیا جہان کے قصے، دوسروں کے تذکرے کرنے میں مگن ہو جاتی ہیں، اور غیبت میں مبتلا ہوتی ہیں، ان اللہ کی بندیوں کو احساس تک نہیں ہوتا کہ کتنا کچھ اپنا نقصان کر رہی ہیں، نمازیں ضائع کرتی ہیں، ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑنے پر جتنا کچھ عذاب ہوگا، وہ بہت زیادہ ہے، بہت ڈرنا چاہئے، خواتین کو خاص طور پر نماز کی تاکید کرتے رہا کریں، ان کو ذکر وتسبیحات کی طرف متوجہ کریں، تاکہ غیبت سے باز رہیں۔

(13)......فرماتے تھے:

اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے، اللہ کی پکڑ سے بے خوف نہ ہونا چاہئے، ظلم سے بہت بچیں، کسی کا حق نہ دبائیں، حق تلفی نہ کریں۔

(14)......فرماتے تھے:

نہ جانے کس وقت بلاوا آ جائے، غفلت میں نہیں رہنا چاہئے، بس لگا رہے، ہر وقت کچھ نہ کچھ (اعمال کا ذخیرہ) کرتا رہے۔

ہندی مثل ہے۔

نہ جانے پیا بلالے کس گھڑی ۔۔۔ تو رہ جائے تکتی کھڑی کی کھڑی

دعوے کرنے، لاف وگزاف ہانکنے اور ڈینگیں مارنے کی بعض لوگ کیسے جرائت کر لیتے ہیں، قابلیت پہ نہیں، بھیا مقبولیت پر مدار ہے۔ ع

پیا جس کو چاہیں وہی سہاگن ہے

بھیا وہاں تو عاجزی، فنائیت پسند ہے، بڑے بڑے قابل لوگوں کی قابلیتیں دھری کی دھری رہ جائیں گی، اپنی بڑائی کو مٹا دینا چاہئے۔

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہتا ہے ۔۔۔ کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے

(15)......فرماتے تھے:

فیصل آباد سے شاہ کوٹ سائیکل پر جمعہ پڑھانے جاتا رہا ہوں،، یہ ساٹھ کلومیٹر سے زیادہ راستہ آنے جانے کا بن جاتا ہے۔

اب ہمت جواب دے گئی ہے، وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔

(16)......فرماتے تھے:

وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے، جو دوسرے کی دنیا (بنانے) کے لیے اپنی آخرت برباد کرے، ایسا نہ چاہئے۔

(17)......فرماتے تھے:

دریں راہ می تراش و می خراش تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

لگے رہو اسی راستے میں کچھ نہ کچھ کرتے رہو، اعمال کا ذخیرہ آگے بھیجتے رہو، پوری زندگی ایک سفر ہے، ایک امتحان کا مرحلہ ہے، آخر دم تک لگے رہنا چاہئے۔

(18)......فرماتے تھے:

لنگڑی خود کھیڈے، نہ کھیڈن دیوے۔

(کوئی ایک کام جب نہ خود صحیح طرح کر سکتا ہو، یا کرنا نہ چاہتا ہو، اور دوسرے کو بھی نہ کرنے دیتا ہو، تو اس وقت اباجی یہ تبصرہ کرتے تھے)

(19)......فرماتے تھے:

خود کام مہا کام

اپنا کام جہاں تک ہو سکے، اپنے ہاتھ سے کرے، اپنی نگرانی میں کرائے، دوسرے کے حوالے کر کے بے فکر نہ ہو جائے، دوسرے کو وہ دلچسپی، لگن، صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا، جو خود آپ کو ہو سکتا ہے۔

وفات حسرت آیات

3اپریل کو صبح سے ہی آپ کی نقاہت و کمزوری حد سے سِوا ہوگئی تھی، اس پورے دن کھانا، پینا، بولنا چالنا، موقوف رہا، ایک آدھ بار ہاتھ کے اشارہ سے کچھ کہنا چاہا، غلبۂ استغراق کی کیفیت سارا دن آپ پر طاری رہی، بظاہر کوئی بے چینی یا سانس لینے میں دشواری محسوس نہیں ہوئی، لیکن سانس اور نبض کی چلن بہت ہی دھیمی تھی، رات گیارہ، ساڑھے گیارہ کے قریب بندہ آپ کے پاس سے اُٹھا، آپ سے بات کرنی چاہی، لیکن کوئی جواب نہیں دیا، بندہ اپنے کمرہ میں آیا، سخت تھکاوٹ اور بے آرامی کی وجہ سے لیٹتے ہی سو گیا، ابھی گھنٹہ بھر ہی گزرا تھا کہ والدہ نے دروازہ کھٹکھٹایا، جس سے بندہ کو سخت گھبراہٹ اور تشویش ہوئی، اور دل بے چین ہوگیا۔

والدہ نے بتایا کہ آپ کے ابا جان کی ابھی تھوڑی دیر سے سانس اور نبض محسوس نہیں ہورہی، بندہ سرہانے آیا، بندہ نے اور والدہ صاحبہ نے نبض ٹٹولی، سینہ دبایا، منہ کے ذریعہ سانس دیا، جس سے یقین ہوگیا کہ آپ نے جان، جانِ جاناں کے سپرد کردی ہے ؎

صد حیف کہ در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد　　روئے گل سیر نہ دیدم و بہار آخر شد

سودا کے جو بالیں پہ ہوا شورِ قیامت　　خدامِ ادب بولے، ابھی آنکھ لگی ہے
سرہانے میر کے آہستہ بولو　　ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

جنازہ و تدفین

رات کو ہی بندہ نے مانسہرہ، سیالکوٹ، فیصل آباد، اپنے قریبی اعزہ کو فون پر سانحہ فاجعہ کی اطلاع کردی، صبح اذان کے بعد حضرت الاستاد مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم اور

جامعہ اسلامیہ، قاری محمد یعقوب صاحب دامت برکاتہم کو بھی اطلاع کردی۔ [1]

جیسے جیسے روشنی پھیلتی گئی، احباب و متعلقین، متوسلین تشریف لاتے گئے، دس بجے کے بعد غسل دیا گیا، جس میں بندہ خود، بھائی عرفان اکبر، اباجی کے جگری دوست جناب اسحاق صاحب (الرزاق آٹوز، بابو محلّہ صدر)، جناب مولانا عبدالسلام صاحب (ناظم ماہانہ ''التبلیغ'') اور ادارہ کے بعض دیگر احباب شامل تھے۔

ایمبولینس کے ذریعہ ''جامعہ اسلامیہ راولپنڈی صدر'' جنازہ لے جایا گیا، ڈیڑھ بجے نمازِ ظہر کے فوراً بعد ''قاری محمد یعقوب صاحب'' نے جنازہ پڑھایا۔

علماء، طلباء، عوام خواص، زکریا مسجد (تبلیغی مرکز راولپنڈی) کے بزرگ، غرض ہر شعبۂ زندگی کے لوگ بہت بڑی تعداد میں، جنازہ میں شریک تھے ؎

عجب قیامت کا حادثہ ہے، اشک ہیں آستیں نہیں ہے
تیری جدائی پر مرنے والے وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے

بندہ کے ذاتی فیصلہ کے مطابق، آپ کی تدفین ''اچھڑیاں'' مانسہرہ میں اپنی برادری کے

---

[1] اباجی کی وفات پر اس صدمے کے ساتھ مجھے ایک مشکل سے بھی گزرنا پڑا، تھوڑی ہمت کر کے بفضلِ رب یہ مرحلہ سر ہوا، اور اپنے ادارے کی ساکھ اور نظم وضبط، ڈسپلن کو اس مشکل وقت میں اپنی ذات سے متاثر نہ کیا، یوں کہ یکم اپریل سے تعمیرِ پاکستان سکول کے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا، یہ دوسرا تعلیمی سال شروع ہوا تھا، میں پرنسپل کی سیٹ پر تھا، یکم اور 2 اپریل کو داخلوں کی تجدید، فیسوں اور واجبات کی وصولی، نئے داخلوں کی رجسٹریشن وغیرہ کے تمام مراحل چلتے رہے، آئندہ بھی چند دن یہ سلسلے چلنے تھے، ہفتے کے ہفتے، ہم سکول کا سارا حساب وکتاب چھٹی کے بعد عصر مغرب تک کمپیوٹر پر چڑھا لیتے، اب ان دودنوں میں جتنے داخلے ہوئے اور رقوم وغیرہ تھیں، اباجی کے ساتھ مصروفیت کی وجہ سے وہ رجسٹروں میں باقاعدہ منضبط و مندرج نہ ہوئی تھیں، اور نئے داخلوں کا ریکارڈ اور بچوں کے کاغذات و دستاویزات بھی فائلوں میں جمع نہیں ہوئے تھے، بیسیوں بچوں کا ریکارڈ، ڈیٹا اور حسابات منتشر طور پر چھوٹی پرچیوں پر درج میرے ڈیسک اور دراز میں تھا، سورات 2 بجے میں سکول آفس گیا، اور چار ساڑھے چار بجے تک سارے دفتری اندراجات وحسابات مربوط کردیے، تاکہ صبح میرے نائب کو اور سکول کے عملے کو مشکلات نہ ہوں، اور کل پرسوں کے جن بچوں، والدین کے معاملات درمیان میں ہیں، ان کے حل کرنے میں انتظامیہ کو یا بچوں اور ان کے والدین کو مسائل نہ ہوں، پھر صبح فون پر اپنے نائب کو ساری چیزیں سمجھادیں (بعد میں جلد ہی سکول کا سارا دفتری نظام کمپیوٹرائز ہوگیا، اس وقت تک جزوی تھا)۔ امجد۔

خاندانی قبرستان میں ہوئی، بعد مغرب آپ کی تدفین ہوئی، اس طرح غروبِ آفتاب کے ساتھ ہمارا آفتاب بھی غروب ہوگیا، ہم پر دنیا تاریک ہوگئی۔

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخذَ وَلَہٗ مَا اَعْطیٰ وَ کُلُّ شَیْئٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمّٰی

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَ یَبْقیٰ وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلاَلِ وَ الْاِکْرَامِ

داغِ دل چمکے گا، بن کر آفتاب　　لاکھ اس پہ خاک ڈالی جائے گی

آں یاد، داری کہ وقتِ زائیدنِ تو　　ہمہ خنداں شوند، وتو گریاں

آں چناں زی، کہ وقتِ مردنِ تو　　ہمہ گریاں شوند وتو خنداں

(تجھے وہ وقت یاد ہے کہ جب تو پیدا ہو، تو سب ہنس رہے تھے، خوش تھے، اور تو رو رہا تھا، اب ایسی زندگی گزار کہ جب تو فوت ہو، تو سب روئیں، اور پریشان ہوں، لیکن تو خوش ہو)

جنازے کی روانگی کا منظر

ادارہ غفران سے ایمبولینس میں آپ کے جنازے کی روانگی کا مرحلہ، اسی طرح جامعہ اسلامیہ صدر میں جنازہ پڑھے جانے کا سکینت وطمانیت سے بھرا ماحول ومنظر، پھر جامعہ کے مرکزی دروازے کے سامنے سے احباب، متعلقین ومتوسلین اور عامۃ المسلمین کے ہجوم میں جنازے کے ایمبولینس کی روانگی، اور آپ کو لمبے سفر کے لئے الوداع کرنے کا منظر اپنی کیفیات کے ساتھ آج بھی دل ودماغ پر نقش ہے۔

وہ سوگوار مگر پُر طمانیت لمحات تھے، ایسا لگتا تھا کہ زمانہ ٹھر گیا، وقت کی نبض رُک گئی۔

اک جنازہ اٹھا مقتل سے عجب شان کے ساتھ　　جیسے سج کر کسی فاتح کی سواری نکلے

ہم کو ہر دور کی گردش نے سلامی دی ہے　　ہم وہ پتھر ہیں جو ہر دور میں بھاری نکلے

آج جامعہ اسلامیہ کے در و دیوار سے حسرت و یاس ٹپک رہی تھی، عین مسجد کے پہلو میں وہ حجرہ درد و کرب کی تصویر بنا دکھائی دے رہا تھا، جو پچھلے تیس سالوں سے محبت و معرفت کی دوکان بن چکا تھا، جہاں صبح و شام گاہکوں کا ہجوم رہتا تھا، آج اسی حجرے کے سامنے مسجد کی راہداری میں یہاں کا ساقی زندگی کے طویل سفر سے تھک ہار کر زیاں خانۂ عالم کی جانگسل تھپیڑوں کو مدت العمر سہتا سہتا آسودہ خوابِ ابدی ہو چکا تھا۔

کب تک کوئی الجھی ہوئی زلفوں کو سنوارے
کچھ اور بھی ہیں ہمیں کام اے غمِ جاناں

رب کی آغوشِ رحمت میں اس کو پناہ مل چکی تھی، زمانے بھر کا سکون سمٹ کر، اس کے چہرۂ انور پر امڈ آیا تھا۔

جب بنامِ دل گواہی سر کی مانگی جائے گی　　　خوں میں ڈوبا ہوا پرچم ہمارا دیکھنا

پس از وفات مقبولیت و کرامت کے بعض مظاہر

جس قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی، جو کہ برادری و خاندان کا مخصوص قبرستان ہے، آپ کی تدفین کے چند دن بعد قبرستان کی صفائی، جھاڑ و جنکاڑ کی چھانٹی، زمین کے اونچ نیچ کی برابری واستواری، اور ہر چہار جانب کنکریٹ کی پختہ چار دیواری کا کام شروع ہوا، شاید اس کا منصوبہ پرانا تھا، لیکن عمل درآمد آپ کی تدفین کے چند دن بعد شروع ہوا (گویا آپ کی تدفین اس مقبرہ واہلِ مقبرہ کے حق میں مبارک اور نیک شگون ثابت ہوئی) اس طرح آپ کی قبر قبرستان کی تعمیرِ نو، آراستگی و مرمت کے بعد بہت مناسب موقعہ محل پر، قبروں کی پہلی قطار میں احاطے کی دیوار کے نیچے پہلی قبر ٹھہری۔

قبرستان کی اس تعمیر نو کے دوران راج لوگوں (مستری) کو کام کرتے ہوئے ایک دن وہیں شام ہوگئی، وہ کہتے ہیں کہ مغرب کے کافی بعد اندھیرے میں ہم نے دیکھا کہ ایک قبر کے اوپر

روشنی کی شعاع اوپر آسمان کی جانب اٹھ رہی ہے، بعد میں ہمارے عزیز جناب محمد ریاض صاحب سے جو قبرستان کے اس تعمیراتی عمل کے نگران بھی تھے، انہوں نے ملاقات ہونے پر پوچھا کہ فلاں قبر کس کی ہے؟ اللہ کے کوئی نیک بندے معلوم ہوتے ہیں، اور رات والا ماجرا کہہ سنایا، تو انہوں نے والد صاحب کے حوالے سے ان کو بتایا کہ یہ نیک اور بزرگ بندے تھے، چند دن پہلے فوت ہوئے، ہمارے عزیز تھے وغیرہ وغیرہ، یہ واقعہ بعد میں ان کی اہلیہ صاحبہ نے بیان کیا۔

اسی طرح سی پیک کے ماسٹر پلان کے تحت یہاں سے گزرنے والی شاہراہِ ریشم کی توسیع میں روڈ سے ملحق بہت سی تعمیرات آ رہی تھیں، اور یہ قبرستان بھی (مسمار ہونا تھا) اس حوالے سے گورنمنٹ کی طرف سے نوٹس بھی جاری ہو چکے تھے، لیکن خدائی نظام وانتظام یوں ہوا کہ اس ایریے میں روڈ کے نقشے میں کچھ تبدیلی کردی گئی، یہاں روڈ کی توسیع کے بجائے قدرے ہٹ کر روڈ بنے گا، اس طرح باقی تعمیرات کے ساتھ ساتھ قبرستان بھی روڈ میں شامل ہونے سے بچ گیا۔

چند مبشرات (خواب)

مولانا الیاس کوہاٹی صاحب (مشہور علمی شخصیت اور تبلیغی بزرگ) کا خواب

آپ دوسرے دن تعزیت کے لئے تشریف لائے، اور مجھ سے فرمایا کہ میں تعزیت کے ساتھ ساتھ، ایک بشارت بھی سنانے آیا ہوں، جنازہ والے دن میں دو پہر کے قریب لیٹا ہوا تھا میری آنکھ لگی، خواب میں دیکھتا ہوں کہ جامعہ اسلامیہ میں آپ کے والد صاحب کے حجرہ کے سامنے لوگ عید کی نماز کے لئے جمع ہو رہے ہیں، اور بڑی خوشی کا منظر ہے، سب خوش خوش ہیں، صفیں بن رہی ہیں، میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوتا ہوں، لوگوں کا بڑا ہجوم ہے، آنکھ کھلی، تو اطلاع ملی کہ آپ کے ابا جی فوت ہو گئے ہیں، ڈیڑھ بجے جامعہ اسلامیہ میں جنازہ ہے، میں نے تیاری کی، اور جامعہ اسلامیہ پہنچا، یہاں جنازہ کا ہو بہو وہی منظر تھا، جو میں نے خواب میں دیکھا، اور اس جنازہ میں مجھے بڑی سکینت، اور طمانیت نظر آئی (گویا کہ عید کا سماں ہے) ع

چہ خرم آں روزے کہ ازیں منزلِ ویراں می روم — راحتِ جاں می طلبم وپئے جاناں می روم

بندہ امجد نے دیکھا

(ا)...... کسی نماز کا وقت ہے، میں ابا جی کی تیمارداری کے لئے پاس ہوں، نماز کے لئے اُٹھا، ابا جی غنودگی کی سی حالت میں ہیں، سر پھیر کر پوچھتے ہیں، امجد کہاں ہے؟ میں جواب دیتا ہوں کہ میں یہاں موجود ہوں، فرماتے ہیں کہ مجھے ویکسین دیدو۔

اس کی تعبیر یہ ہے کہ ویکسین چھوٹے بچوں کو دی جاتی ہے، جو پاکیزہ اور معصوم ہوتے ہیں، اور یہ ویکسین بچوں کی آئندہ صحت کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے نہ کہ وقتی بیماری کے لئے، یہ

اشارہ تھا کہ میری نمازوں کا فدیہ دیا جائے، جو آئندہ برزخی اور اُخروی مراحل میں روحانی صحت کا باعث ہے، کیونکہ ابا جی نے فدیہ کی وصیت کی تھی، اور بیماری میں نمازوں کا حساب مجھ سے لکھواتے تھے، خواب دیکھنے کے وقت فدیہ کی رقم میں نے الگ کی تھی، لیکن ابھی دی نہیں تھی، چنانچہ میں نے ادا کردی۔ بحمداللہ تعالیٰ۔

(۲)...... میں ابا جی کو گاڑی پر، چاہ سلطان والے روڈ سے لے جارہا ہوں (جو مری روڈ کی طرف نکلتی ہے) گاڑی میں خود چلارہا ہوں، مری روڈ کے سنگم پر اسلامک شہد کی دوکان کے پاس پہنچ کر، میں گاڑی روکتا ہوں، گاڑی وہیں پارک کرتا ہوں، آگے مری روڈ کے منہ پر ابا جی کے احباب میں سے ایک صاحب استقبال کے لئے کھڑے ہیں، ایسا منظر ہے کہ گویا ابا جی نے ان کے ساتھ مری روڈ پر سفر کرنا ہے۔

اس کی تعبیر یہ ہے کہ بیماری میں اور آگے پیچھے، بندہ نے ابا جی کی جوٹوٹی پھوٹی، خدمت کی، یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے، چاہ سلطان والی روڈ پر بندہ کا آپ کو سفر کرا کر، لے جانا اس بیماری میں خدمت کی طرف اشارہ ہے، آگے مری روڈ برزخی سفر کی طرف اشارہ ہے، اور مری روڈ سیدھی بھی ہے، اور صاف بھی ہے، اور طویل بھی ہے، جس سے شاید یہ اشارہ ہے کہ برزخ کی طویل زندگی میں آپ کا سفر سیدھا اور صاف ہوگا، ان شاءاللہ سلامتی اور راحت کے ساتھ ہوگا۔

اور جانے پہچانے صاحب کا استقبال کے لئے کھڑا ہونا، موت کے بعد رحمت والے فرشتوں سے واسطہ پڑنے کی طرف اشارہ ہے، جس کی قرآن وحدیث میں اہلِ ایمان کے لئے بشارت آئی ہے کہ فرشتے ان کو اعزاز واکرام کے ساتھ برزخی زندگی میں لے جائیں گے، اور وہاں کے مراحل سے گزاریں گے، اور مری روڈ آگے مری اور کشمیر کو جاتی ہے، جو سرسبز و شاداب، باغ و بہار، چشموں، ندیوں، جھیلوں پہاڑوں اور دریاؤں پر مشتمل بلند و بالا سیاحتی مقام ہیں، قرآن میں جنت کی یہ صفات بیان ہوئی ہیں، کشمیر کو کشمیر جنت نظیر کہا جاتا ہے، یہ

سب نیک شگون و بشارت ہے۔

والدہ نے دیکھا

وفات سے چند دن پہلے یہ خواب دیکھا کہ ہر طرف پھیلا ہوا سایہ دار درخت ہے، وہ ٹوٹ کر گر جاتا ہے، پورا ہی زمین پر آ رہتا ہے، تعبیر واضح ہے۔

اہلیہ نے دیکھا

(۱)......ابا جی کی تین تسبیحات ہیں، ایک اہلیہ کو، ایک بندہ کو، اور ایک والدہ کو عنایت ہوتی ہے، ابا جی کمرہ کے دروازہ سے داخل ہوتے ہیں، سفید براق لباس میں ہیں، امی سے تسبیح لے کر، چارپائی پر بیٹھ جاتے ہیں، بس اتنا ہی دیکھا۔

(۲)......ابا جی کی طبیعت کافی ناساز ہے، کچھ اجنبی لوگ آتے ہیں، ابا جی کو ساتھ لے جانا چاہتے ہیں، چھوٹے بچوں کی طرح ابا جی کو ہاتھوں پہ اُٹھا لیتے ہیں، میں روتی ہوں، تو خالہ جان (والدہ امجد) تسلی دیتی ہیں کہ یہ لوگ ہم سے زیادہ اچھے طریقہ سے ابا جی کو سنبھالیں گے، اور اچھی خدمت کریں گے، اسی طرح ایک خواب میں دیکھا کہ ابا جی سفید، براق لباس، زیبِ تن کئے ہوئے ہیں، اور مجھے (اہلیہ امجد) اور میمونہ باجی (ہمشیرہ امجد) کو بلا کر نماز کی پابندی کی وصیت کرتے ہیں۔

دونوں خوابوں میں اہلِ خانہ کو دین پر اللہ کی یاد پر ثابت قدم رہنے کی طرف اشارہ ہے، پہلے خواب میں موت کے بعد اچھے حالات پیش آنے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف سے کرم نوازی کا معاملہ ہوگا۔

(ضمیمہ)

ایک سفر میں تین سمندروں کا نظارہ

بندہ کے ٹھٹھہ کے سفرنامہ میں "مکلی" قبرستان کے احوال کے ضمن میں والد صاحب کا تذکرہ بھی آ گیا تھا، اس لئے یہ متعلقہ حصہ یہاں شامل کیا جاتا ہے، یہ سفرنامہ ماہنامہ "التبلیغ" کے دسمبر 2013ء تا فروری 2014ء کے شماروں میں شائع ہوا۔

محمد امجد حسین

امسال قربانی والی عید کے تیسرے دن 18 اکتوبر 2013ء کو میں ایک ہفتہ کے جس سفر پر روانہ ہوا، اس میں مجھے تین سمندروں سے سابقہ پڑا، حالانکہ یہ خشکی کا سفر تھا، جو راولپنڈی تا کراچی بذریعہ ٹرین ہوا، ایک سمندر تو وہی نامی گرامی بحر ہند ہے، جس کے پہلو میں کراچی آباد ہے، یا وہ کراچی کے پہلو میں موجیں مار رہا ہے، موجیں کر رہا ہے، موجزن ہے، دوسرا سمندر انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے، جیتے جاگتے ایک کروڑ سے زائد انسانوں کا سمندر کراچی، جو آجکل طغیانیوں اور خانہ جنگی کے طوفانوں کی رو میں ہے، جہاں انسانی زندگیاں آندھیوں کے رُخ پہ رکھے چراغ کی مانند بجھتی جارہی ہیں، تیسرا سمندر ٹھٹھہ کے دامنِ کوہ میں پھیلا ہوا مکلی قبرستان ہے، جو جیتے جاگتے انسانوں کا نہیں، موت کے خواب گراں سے آسودہ خواب ایک ملین فوت شدہ لوگوں کا سمندر ہے، جو تہہ خاک موجزن ہے، چھ مربع میل کے رقبے اور چھ صدیوں کے دورانیے پر محیط سمندر جو اپنی تاریخ کے تناظر میں بجائے خود ایک بحر محیط ہے، جہاں بادشاہ بھی دفن ہیں، گدا بھی، امیر بھی، وزیر بھی، غنی بھی، فقیر بھی، علماء بھی، اولیاء بھی، مشائخ بھی، صوفیاء بھی، گمنام و بے نام بھی، مشاہیر بھی، بیرونی طالع آزما، حملہ آور جنگجو بھی، اور ان کے تیغ ستم کا شکار ٹھٹھہ اور سندھ کے ہزاروں، باسی مقتولین بھی، ٹھٹھہ و سندھ کے مختلف حکمرانوں کے پورے پورے خانوادے اور خاندان بھی، ارغون بھی، ترخان بھی، سمے اور

سومرے، مغل بھی، جام بھی، افغان بھی، ٹھٹھہ کا بانی جام نظام الدین بھی، تینوں ایک سے بڑھ کر ایک سمندر ہیں، جن کی اپنی اپنی گہرائیاں اور پہنائیاں ہیں، جو عجائبات سے لبریز و مملو ہیں، پھر اس کوچہ گرد دشت، نورد کو ایک کے بعد ایک سمندر سے واسطہ پڑا، منیر نیازی کے بقول ؎

ایک اور دریا کا سامنا تھا مجھے منیر میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

مکلی قبرستان ٹھٹھہ (سندھ) میں حاضری

کراچی کے ہفتہ بھر کے قیام میں کھینچ تان کر کسی نہ کسی طرح میں نے ٹھٹھہ کے لئے بھی ایک دن نکالا، ٹھٹھہ کا تاریخی شہر کوہ مکلی کے دامن میں آباد اور آباد سے زیادہ برباد ہے، اور کوہ مکلی پر مکلی قبرستان آباد لیکن بظاہر بے آباد ہے۔

مکلی قبرستان سندھ کی گزشتہ چھ صدیوں کے عروج و زوال، تہذیب و ثقافت، مذہب و تمدن کی تاریخ اپنے سینے میں سموئے ہوئے ہے۔

مبینہ طور پر یہ دنیا کا سب سے بڑا قبرستان ہے، قبرستانوں کو اولادِ آدم، نسل انسانی، بلاتمیز رنگ و نسل، قوم و ملک، دین و مذہب، کلچر و تمدن اور بلاتفریق مرد و زن، بچے، بوڑھے اور جوان اپنی جانیں دے کر، اپنی جان سے گزر کر، اپنی زندگیوں کا چراغ گُل کر کے، اپنے بچوں کو یتیم، بیویوں اور سہاگنوں کو بیوہ، بوڑھے والدین کو بے سہارا چھوڑ کر آباد کرتے ہیں، بساتے ہیں، سجاتے ہیں، اس کی رونق، اس کی آبادی اور مردم شماری بڑھاتے ہیں۔

لیکن معلوم نہیں یہاں پھر بھی ویرانی کے بسیرے کیوں ہوتے ہیں؟ ؎

اے قبرستان! تجھ میں اتنی ویرانی کیوں ہے ہم تو تجھے آباد کرتے ہیں جانیں دے کر

حالانکہ شاہ و گدا، امیر و غریب، خوشحال و بدحال، تاج دار و عیال دار، غنی و فقیر، سب عید کی طرح نہا دھو کر، کپڑے بدل بدل کر، خوشبوؤں میں بس کر ادھر کا رُخ کرتے ہیں۔ ؎

الٰہی ملک عدم میں کیا عید ہو رہی ہے چلے جاتے ہیں، جانے والے کپڑے بدل بدل کر

لوگ یہاں آرہے ہیں مسلسل، ہر لمحہ، ہر گھڑی، ہر ساعت، ایک تانتا بندھا ہوا ہے۔ ؎

آباد ہے کس قدر عدم کی شاہراہ ہر دم ہے مسافروں کا تانتا لگا ہوا

تو ہر قبر پر روئے گا؟

میرے بوڑھے والد جب سے فوت ہوئے ہیں، مجھے ہر قبر سے انسیت و مانوسیت سی ہوگئی ہے، اس ایک قبر کی وجہ سے جو شاہراہ ریشم کے کنارے اچھڑیاں اور کوٹلی پائیں کے درمیان واقع ہے۔ [1]

---

[1] ایک خواب: عشاء کے بعد میں نے سفرنامے کی یہ قسط لکھی، مکلی قبرستان اور اپنے ابا جی کی یاد میں متمم کے مرثیہ کے مذکورہ بالا اشعار لکھے، اگلے دن فجر کی نماز پڑھا کر کچھ تلاوت کر کے لیٹا، آنکھ لگی، ابا جی کو خواب میں دیکھتا ہوں، کہ ایک جگہ میں، میں ان کا ہاتھ تھامے ہوئے، اور سہارا دیئے ہوئے ہوں، اور ہم زینے سے چڑھ رہے ہیں، سیڑھیوں پر کچھ اندھیرا ہے، اندازے سے اوپر چڑھ رہے ہیں، میں پوچھتا ہوں کہ:

ابا جی! تُسی میرے توں خوش ہوناں؟ جواب دیتے ہیں، ہلکا تبسم کرتے ہوئے، لے، ایہہ وی کوئی پُچھن والی گل ہیگی،

پھر پوچھتا ہوں، ابا جی تُسی ساڈے لئی دعا کردے ہیگے؟ زیرلب مسکراتے ہیں، اور خاموش رہتے ہیں۔

اتنی دیر میں ہم زینہ چڑھ کر اوپر پہنچ جاتے ہیں، اوپر مسجد کا منظر ہے، مسجد غفران کا، اور ابھی ابھی مغرب کی اذان مؤذن نے ختم کی ہے، مجھے خیال آتا ہے کہ میں نے نماز پڑھانی ہے، لوگ منتظر ہوں گے، میں ابا جی سے پوچھتا ہوں، کیونکہ وہ بیمار محسوس ہوتے ہیں، ابا جی! تہاڈے لئی کرسی رکھ دیاں؟ منع کردیتے ہیں، میں مسجد کے ہال میں داخل ہوتا ہوں، تو نماز کھڑی ہوچکی ہے، مغرب کی نماز میں پڑھتا ہوں، ابا جی معلوم نہیں، مسجد میں کس جگہ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں، نماز سے فارغ ہو کر میں مسجد کے محراب والے حصہ کی طرف جاتا ہوں، اور بعض احباب جو وہاں موجود ہیں، اُن سے کہنا چاہتا ہوں کہ عیدالاضحیٰ کی چند چھٹیاں ہیں، مجھے سفر پہ جانا ہے، تم نے مسجد کی ذمہ داری سنبھالنی ہے۔

لیکن ابھی بات نہیں کی کہ دیکھتا ہوں ابا جی مسجد کے دروازے سے نکل کر بڑے خوش خوش اور جھومتے ہوئے، ادارہ غفران کے دارالافتاء کی طرف جاتے ہیں، جہاں حضرت مفتی محمد رضوان صاحب کی نشست ہوتی ہے، مجھے اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے کہ ابا جی غائب ہوجائیں گے، میں تیز چل کر ابا جی کی طرف آتا ہوں، دور سے دیکھا کہ وہ دارالافتاء کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، لیکن ان کے پیچھے بھاگ کر جب میں دارالافتاء کا دروازہ کھولتا ہوں تو وہ اندر موجود نہیں، میں پریشان ہوجاتا ہوں، پھر ساتھ چھوٹے دارالافتاء کی طرف آتا ہوں، جہاں میری اور مفتی محمد یونس صاحب کی نشست ہے، وہاں بھی ابا جی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

متمم بن نویرہ یربوعی نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ کے ان اشعار میں صرف اپنے صدمے اور ۱؎ دکھ کی ہی نہیں، شائد اور بہت سوں کے جذبات کی ترجمانی بھی کی ہے۔

لَقَدْ لامَنِیْ عِنْدَ الْقُبُوْرِ عَلَی الْبُکَاءِ ۔۔۔ رَفِیْقِیْ لِتُذْرَافِ الدُّ مُوْ عِ السَّوَافِکِ

فَقَالَ اَتبکِیْ کُلَّ قَبْرٍ رَاَیْتَهٗ ۔۔۔ لِقَبْرٍ سِوٰی بَیْنَ اللِّوٰی فَالدَّ کَادِکِ

فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّ الشَّجَا یَبْعَثُ الشَّجَا ۔۔۔ فَدَعْنِیْ فَهٰذَا کُلُّهٗ قَبْرُ مَالِکِ

ترجمہ: قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے، میرے رونے اور نہ تھمنے والے آنسوؤں پر میرے رفیق اور دوست نے مجھے ملامت کی، اور کہا، تو ہر قبر کو دیکھ کر رویا کرے گا، اس ایک قبر کو یاد کر کے جو مقام لوی اور دکادک کے درمیان ہے؟ تو میں نے اسے جواب دیا کہ غم غم کو تازہ کرتا ہے، تو مجھے میرے حال پر چھوڑ، میرے لئے یہ سب مالک کی قبریں ہیں۔ ۲؎

متمم کے ایک مرثیہ کے یہ اشعار بھی ضرب المثل ہیں:

وَ کُنَّا کَنَدْمَانَیْ جُذَیْمَةَ حُقْبَةً ۔۔۔ مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰی قِیْلَ لَنْ یَّتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تفَرَّقْنَا کَاَنِّیْ وَ مَالِکًا ۔۔۔ لِطُوْلِ الْاِجْتِمَاعِ لَمْ نَبِتْ لَیْلَةً مَعَا

﴿گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ﴾

نہیں، تو افسوس اور دکھ میرے اندر بھر جاتا ہے، اور میرے منہ سے ایک دردناک آواز نکلتی ہے، پس میں جاگ جاتا ہوں۔

نیک سیرت نیک طینت دین کا داعی رہا ۔۔۔ وقف تیری زندگانی تھی برائے علم دین

تھا لطیف ایک نجم تابندہ سماء علم کا ۔۔۔ خلد میں تیری روح آسودہ ہوگی بالیقیں

۱؎ مالک بن نویرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتنہ ارتداد میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ایک صحابی حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔

اس کے بھائی متمم نے اس کی جدائی کا غیر معمولی اثر لیا، اور نظم ونثر میں اس کی جدائی پر ان جذبات کا اظہار کیا، جو عربی ادب کا شاہکار، ہیں۔

ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو''الکامل لابن الاثیر''۔

۲؎ یہ اشعار ابوتمام حبیب بن اوس طائی (۱۸۸ھ تا ۲۳۲ھ) نے اپنے مشہور دیوان حماسہ میں متمم کے مرثیہ کے ذیل میں نقل کئے ہیں۔

ترجمہ: ہم دونوں (بھائی متمم اور مالک) جزیمہ (بادشاہ عراق) [1] کے دو مقرب درباری مشیروں کی طرح ایک طویل زمانے تک اکھٹے رہے، یہاں تک کہ کہا جانے لگا یہ کبھی جدا نہ ہوں گے، پھر جب موت نے ہم دونوں کو جدا کر دیا، تو اتنے طویل زمانے تک اکٹھا رہنے کے باجود ایسا معلوم ہوتا تھا، گویا ہم نے ایک رات بھی اکٹھے نہیں گزاری۔ [2]

ڈرون ٹیکنالوجی اور خودکش جیکٹوں کے عہد کا ایک المیہ

میں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جوانی میں بوڑھے باپ کے جنازے کو، جسد عنصری کو کندھا دیا، اور اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ بڑھاپے میں جوانوں کا غم دیکھوں۔

کیونکہ ڈرون ٹیکنالوجی، خودکش جیکٹوں، اور ٹارگٹ کلنگ کے عہدِ رواں کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ آج بوڑھے والدین جوان اولاد کے لاشوں کے ٹکڑے ڈھونڈتے، سمیٹتے، کفناتے، دفناتے، کاندھا دیتے، اور قبروں میں اتارتے اتارتے اور اندر ہی اندر گھلتے، پگھلتے، توٹتے، بکھرتے ایک دن چپ چاپ خود بھی

کسی قبر میں اتر کر آسودہ خواب ہو جاتے ہیں، کسی نے بجا کہا ہے کہ جب جوان اولاد بوڑھے والدین کی میت کو کندھا دے، تو یہ زندگی ہے، اور جب بوڑھے والدین جوان اولاد کے گہوارے کو کندھا دیں، تو یہ موت ہے، ہاں زندگی نما موت یا موت نما زندگی۔

زندگی ہے یا رب یا کوئی قیامت ہے ۔۔۔ اس جینے کے ہاتھوں تو ہم مر چلے

آج میرے ملک کا، پامیر اور ہندوکش کے آر پار اس پوری لڑی کا عمومی منظر نامہ، یہ بن چکا

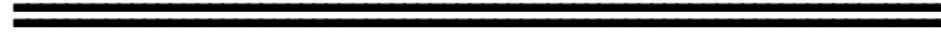
---

[1] جزیمہ زمانہ قبل الاسلام میں عراق کا کوئی بادشاہ گزرا ہے، جس کے دو درباری مقربین میں بڑا یارانہ، دوستانہ تھا، ان کی یہ دوستی اس حد تک تھی کہ دنیا میں ضرب المثل بن گئی۔

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمان کی جدائی پر اپنے جذبات کے اظہار میں متمم کے یہی مذکورہ اشعار پڑھے تھے (جیسا کہ سنن ترمذی کتاب الجنائز کی روایت میں یہ واقعہ مذکور ہے، ملاحظہ ہو)

ہے کہ بحر ہند کے ساحل کراچی سے لے کر دریائے آمو کے کنارے تک خانہ جنگی بپا ہے، کشت وخون، دار و گیر، اورقتل و غارت کا رستا خیز منظر رونما ہے، کراچی میں روزانہ دسیوں، بیسیوں، نشانہ بند لاشیں، گرتی ہیں، خیبر و پشاور میں خودکش جیکٹوں سے ابناء وطن کے پرخچے اڑتے ہیں، فاٹا کے طول وعرض میں ڈرون نامی دجالی اڑن کھٹولے قوم کے مرد وزن، پیر و جوان کوتاک تاک کرنشانہ بناتے اوران کی دھجیاں اڑاتے ہیں۔

مکلی قبرستان کے بارے میں تاریخی روایات عہد بعہد ایک ملین انسانوں کے یہاں تہہ خاک آسودہ خواب ہونے کی خبر دیتے ہیں، جن میں امیر وغریب، شاہ وگدا، اولیاء ومشائخ، علماء و صلحاء، فاتحین ومفتوحین، مقامی وبیرونی، دیسی، بدیسی، سب طبقات شامل ہیں۔



الوداع عبداللطیف!

ذیل کے قطعات والد مرحوم کی رحلت پر میرے ماموں جناب ماسٹر عبدالحلیم احقر صاحب نے موزوں کئے ہیں۔

الوداع عبداللطیف	اے رونق ہر بزمِ دیں
الوداع اے بدرِ کامل	دینِ حق دینِ مبیں
بے تو اندر دارِ دنیا تیرگی خواہد فزود	اے کہ بودی شمع روشن بزم ہائے اہلِ دیں
نیک سیرت نیک طینت	دین کا داعی رہا
وقف تیری زندگانی	تھی برائے علمِ دیں
تھا لطیف ایک نجمِ	تابندہ سماءِ علم کا
خلد میں تیری پاک	روح آسودہ ہوگی بالیقین

بندہ نے عیسوی تقویم کے مطابق اعداد ابجد کے لحاظ سے
ذیل کی تاریخِ وفات نکالی ہے۔

اَوّٰبٌ مُّنِیْبٌ هُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّضِیَةٍ

15 102 11 90 780 1015

2013ء

مرثیہ مولانا عبداللطیف مرحوم

الٰہی رحم کر غلامِ ختم مرسلیں آیا	منور ہو لحد ختمِ نبوت کا امیں آیا
مدّرس تھا مبلّغ تھا وہ دینِ حق کا دیوانہ	وہ شیدائی محمد کا شمعِ وحدت کا پروانہ
صدی آدھی بِتائی درس اور تدریس میں یارب	خدایا عفو کر اس کے صغائر اور کبائر سب
شب وروز خدمتِ دیں میں گزارے دارِفانی کے	مراتب ہوں بلند یارب حیاتِ جاودانی کے
کرم کر، رحم کر عاجز پہ تو رحمان ہے مولیٰ	کرم کرنا ہی تیرا وصف تیری شان ہے مولیٰ
رہا وہ زینتِ دینِ مبیں مثلِ نگیں یارب	عطا کر عالم برزخ میں اس کو چین اور راحت
تیرا بندہ تیرے دربارِ عالی میں ہوا حاضر	میرے مولیٰ اسے پروانۂ بخشش عنایت کر
تیری ذاتِ گرامی ہے ہمہ رحمت مِرے داور	مِرے داور تیری رحمت رہے لطیف کی یاور
ہے محتاج کرم عبد اللطیف اس پر کرم فرما	کرم فرما میرے مولیٰ کرم فرما کرم فرما
پڑا ہے بندۂ عاصی جبیں رکھے ترے در پر	تیری شانِ کریمی کی دہائی دیتا ہے احقر

قطعہ

الوداع اے شہرِ یار سلطنت علم ودیں		تیرے دم سے رونقِ اقلیم دیں قائم رہی
تو لطیفِ گنجینۂ علوم تھا رخصت ہوا		تشنگانِ علم اب کیسے بجھائیں تشنگی

عبدالحلیم احقر

(برادرِ نسبتی مولانا عبداللطیف مرحوم)

پھر وہ رختِ سفر باندھ کے عقبیٰ کے سفر پہ گئے

(محمد امجد حسین، انیس احمد حنیف)

(19 اپریل، 2013 بروز جمعہ اباجی مرحوم کی قبر پہ حاضری پر نذرانۂ عقیدت)

خون رو آج چشمِ آنسو بار		سامنے یک صدی عہد کا مزار
کیسے رخصت کیا ہے مت پوچھو		دل شکستہ، اٹھائے غم کے بار
آہ سینے میں گونجتی ہی رہی		اشک بہتے رہے قطار قطار
رنگ سب ان سے تھے نظاروں میں		اب نہیں وہ ، اداس ہیں کہسار
ایک جدائی بدل گئی سب کچھ		رونق زیست، رنگِ لیل و نہار
جود و صبر و رضا کے پیکر وہ		جن سے روشن رہے زمان و دیار
کس پہ کس پہ نہ ان کا احساں تھا		کس پہ کس پہ رہا نہ ان کا پیار
دشمنی،تو نفس و شیطاں سے		ان پہ کرتے رہے وہ وار پہ وار
چشمۂ علم و فیض سے ان کے		کتنے صحرا ہوگئے گل و گلزار
کل تلک جن کے لمس ملتے تھے		آج وہ بس گئے اُفق کے پار
سورج ابھرا پٹھان کوٹ سے جو		جس سے روشن ہے قلب کا ہر تار
ضوفشاں کر کے اک زمانے کو		آج ڈوبا بقلبِ پوٹھوہار
اچھڑیاں کی فضائیں روتی ہیں		سوگئے وہ تو جا کے سرن کنار
کتنے دیوبند کے مہ و انجم		زیرِ فرشِ پکھل دفن ہیں یار
شکرِ ربی کہ یہ بھی نعمت ہے		مل گیا اُن کو ان بڑوں کا جوار

اب تو امجد انیسِ دل غم ہے
جانے آئے گا کب جگر کو قرار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ ومشائخِ تصوف

زمانہ خیر القرون سے لے کر فتنہ تاتار اور اس کے بعد کے ادوار تک

عہد بہ عہد تصوف کے ادارہ کی سرگزشت اور اس کے نشیب وفراز پر تبصرہ

ہر صدی کے نامور مشائخِ تصوف وکتبِ تصوف کا تذکرہ

اہلُ السنۃ والجماعۃ کے چاروں سلاسلِ تصوف کے بانی مشائخ کی سوانح

اور چاروں سلسلوں کے شجرہائے نسبت

مولانا روم کی سوانح اور مثنوی روم کا جائزہ اور مثنوی سے منتخب اشعار کی تشریح

اللہ والوں کی موت وآخرت کے متعلق فکرمندی کے واقعات

مصنف

مفتی محمد امجد حسین

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان